الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے
جس طرح آگ لکڑی کو (حدیث)

شمارہ ۹۶
نومبر ۱۹۸۴ء

تذکیر القرآن

جلد اوّل

سورۃ فاتحہ ۔ سورۃ توبہ

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لئے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ھدیہ مجلّد: پچاس روپے

مکتبہ الرسالہ

سی ۔ ۲۹ ، نظام الدین ویسٹ ، نئی دہلی ۱۳

الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان
اُردو، انگریزی میں شائع ہوتا ہے

نومبر ۱۹۸۴ء □ شمارہ ۹۶

زرِ تعاون سالانہ	۳۶ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	دو سو روپے
بیرونی ممالک سے :	
ہوائی ڈاک	۳۰ ڈالر امریکی
بحری ڈاک	۱۰ ڈالر امریکی

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے
ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتھلی
'AL-RISALA MONTHLY' لکھیں۔

ماہنامہ الرسالہ
سی - ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳
فون نمبر ۶۱۱۱۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیدی کردار

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز (الحدید)

ہم نے اپنے رسول بھیجے نشانیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا اس میں سخت طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ ہے۔ اور تاکہ اللہ جان لے کہ کون مدد کرتا ہے اللہ اور رسول کی بن دیکھے۔ بے شک اللہ قوی اور زبردست ہے۔

موجودہ دنیا کو خدا نے اس طرح بنایا ہے کہ یہاں مادی چیزیں انسانی اخلاقیات کے لئے تمثیل کا کام کرتی ہیں۔ اوپر کی آیت میں اس سلسلہ میں دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک میزان (ترازو) اور دوسرے حدید (لوہا)

ترازو کیا کام کرتا ہے۔ ترازو تولنے کا ذریعہ ہے۔ کسی چیز کے متعلق جاننا ہو کہ وہ وزن میں پوری ہے یا کم ہے تو اس کو ترازو میں رکھ کر تولتے ہیں۔ اس سے اس کی حالت پوری طرح معلوم ہو جاتی ہے۔ خدا کی کتاب اسی طرح انسانی اخلاقیات کے لئے ترازو ہے۔ عام ترازو چیزوں کے وزن کو بتاتا ہے اور خدا کی کتاب اعمال کے صحیح یا غلط ہونے کو۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا رویہ موجودہ دنیا میں درست رہے تاکہ وہ آخرت کی کامیابی حاصل کرے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ خدا کے ترازو سے اپنے قول و عمل کو تولتا رہے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ اگلی دنیا میں ناکام و مراد ہو کر رہ جائے گا۔

دوسری تمثیل حدید (لوہے) کی ہے۔ حدید کی معروف حیثیت کیا ہے۔ وہ قابل اعتماد شدت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس پل یا عمارت کو لوہے پر کھڑا کیا جائے اس کے بارہ میں پورا اعتماد رہتا ہے کہ وہ طوفانوں کے مقابلہ میں بھی پوری طرح قائم رہے گی۔ اسی قسم کے انسان خدا کے دین کی نصرت کے لئے درکار ہیں۔ خدا کے دین کی نصرت وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کے اندر حدیدی کردار ہو۔ جن کے قول پر پورا اعتماد کیا جا سکے۔ جو مشکل حالات میں بھی کوئی کمزوری نہ دکھائیں، جو نفس اور شیطان کے دباؤ کے مقابلہ میں اسٹیل کی طرح بے لچک ثابت ہوں۔

کام کا طریقہ

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد شبلی نیشنل کالج (اعظم گڈھ) میں انگریزی کے استاد تھے۔ ۱۹۵۳ سے ۱۹۶۴ تک یہاں رہے۔ وہ کمیونسٹ تھے: ان کا معمول تھا کہ دن کو کالج میں انگریزی کی کلاس لیتے اور شام کے وقت شہر کے چوراہہ پر جاکر پارٹی کا اخبار بیچتے۔ وہ اخباروں کا بنڈل اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوجاتے اور لوگوں سے کہتے "اس پارٹی کی سچائی میں کون شک کرسکتا ہے جس میں ایک پروفیسر سڑک پر کھڑا ہو کر اخبار بیچے۔"

دوسری مثال شیخ محمد سلیمان الفائد کی ہے۔ وہ افریقہ کے ایک ملک میں دعوتی کام کررہے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ وہاں بہت سے نوجوان ہیں جن کے اندر تبلیغ کا جذبہ ہے۔ مگر وہ غریب ہیں۔ انھوں نے ملک کے مختلف علاقوں سے کئی درجن نوجوان منتخب کئے۔ ان کے لئے ایک مختصر مشاہرہ مقرر کردیا اور ہر ایک کو ایک بائیسکل دے دی۔ یہ نوجوان بائیسکلوں پر گھوم گھوم کر تبلیغ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ملک میں پانچ سال (۱۹۷۹ - ۸۴) کی مدت میں تقریباً ۲۰ ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا۔

قارئین الرسالہ سے ہم اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کے تعمیری اور دعوتی مشن کو پھیلانے کے لئے اسی قسم کا تعاون فرمائیں۔ پہلی اور اعلیٰ صورت تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی ذات کو اس عظیم کام میں لگائیں۔ آپ الرسالہ کی ایجنسی لیں۔ آپ اس کی مطبوعات منگا کر لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ ہر اجتماعی موقع پر بک اسٹال لگا کر لوگوں کو اس مشن سے متعارف کرائیں۔

لیکن اگر آپ کے پاس اپنی ذات کو اس مشن میں لگانے کے لئے وقت اور موقع نہ ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ بے روزگار، یا کم آمدنی والے لوگوں میں سے کسی کو تیار کریں۔ اس کو کچھ مشاہرہ دیں اور ایک بائیسکل دے کر اس سے کہیں کہ تمھارا کام یہ ہے کہ تم کتابوں کو پھیلاؤ اور الرسالہ کے خریدار بناؤ۔ وہ بستی بستی گھوم کر بس یہی کام کرتا رہے۔ یہ کام ایک فرد بھی کرسکتا ہے اور کئی لوگ مل کر بھی۔

اگر آپ الرسالہ کے مشن کو حق سمجھتے ہوں، اس کے باوجود اس کو پھیلانے میں آپ نہ براہ راست شرکت کریں اور نہ بالواسطہ، تو آپ کو سوچنا چاہئے کہ حقیقت کی نظر میں آپ اپنا نام کس خانہ میں لکھوا رہے ہیں۔

رفتار روک

گاڑی تیزی سے سڑک پر چلی جارہی تھی۔ اچانک ڈرائیور نے رفتار بہت کم کر دی۔ اس کے بعد ایک ہلکا سا جھٹکا ہوا اور پھر گاڑی اپنی رفتار سے چلنے لگی۔ میں نے باہر کی طرف دیکھا تو سڑک کے کنارے ایک بورڈ پر لکھا ہوا تھا رفتار روک (Speed Breaker)

سڑک کے حادثے زیادہ تر گاڑی تیز دوڑانے سے ہوتے ہیں چنانچہ سڑکوں پر جگہ جگہ اونچا سامینڈ کی مانند بنا دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو رفتار گھٹانے پر مجبور کیا جا سکے۔ اسی بنا پر اس کو اسپیڈ بریکر (رفتار توڑنے والا) کہا جاتا ہے۔

یہ سڑک کے سفر کو محفوظ بنانے کا طریقہ ہے۔ اسی طرح ضرورت ہے کہ زندگی کے سفر کو محفوظ بنانے کے لئے بھی اسپیڈ بریکر ہوں۔ آدمی اپنے کو آزاد سمجھ کر بے لگام ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے کو صاحب اختیار پاکر سرکشی کرنے لگتا ہے۔ وہ بظاہر دیکھتا ہے کہ اس کو کوئی روکنے والا نہیں اس لئے وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں جو چاہوں کروں اور جس طرح چاہوں رہوں۔ ایسی حالت میں اگر رکاوٹیں نہ ہوں تو آدمی بالکل بے قید ہو کر رہ جائے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ آدمی کی زندگی میں اسپیڈ بریکر رکھے جائیں۔ زندگی کے سفر میں اس پر جگہ جگہ روک لگائی جائے۔

اسلام کے احکام ایک اعتبار سے گویا زندگی کے لئے اسپیڈ بریکر ہیں۔ وہ آدمی کو بار بار روکتے ہیں تاکہ وہ اپنے معاملات میں حد سے باہر نہ جانے پائے ——— آدمی دنیا کے کام میں مشغول ہے کہ اچانک مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر نماز کے لئے چلو۔ آدمی اپنے مال کو صرف اپنا سمجھ رہا ہوتا ہے کہ حکم آجاتا ہے کہ اس میں سے ایک حصہ دوسروں کے لئے نکالو۔ آدمی کھا رہا ہے اور پی رہا ہے کہ رمضان آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دو۔ آدمی اپنے عزیز واقارب کے درمیان ہوتا ہے کہ حکم آتا ہے کہ سب کو چھوڑ کر حج کے لئے چلے جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گویا زندگی کے لئے ایک قسم کے اسپیڈ بریکر ہیں۔ یہ انسان کی رفتار کو بار بار کم کرتے ہیں تاکہ وہ حد کے اندر رہے، تاکہ وہ انصاف اور اعتدال کے ساتھ زندگی گزارے۔ تاکہ وہ ہر مرحلہ میں اعتدال کی زندگی پر قائم رہے۔

کیسا عجیب اسلام

ایران میں "اسلامی انقلاب" کے بعد جو نئے مناظر دکھائی دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایران کی قومی اسمبلی اور دوسرے پبلک مقامات پر جو سیڑھیاں ہیں ان پر مختلف قسم کے جھنڈوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ یہ جھنڈے امریکہ، روس اور اسرائیل کے ہیں۔ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی ان عمارتوں میں داخل ہو تو وہ ان پر پاؤں رکھے بغیر داخل نہ ہو سکے۔
(کوثر، بنگلور، رمضان ۱۴۰۴ھ)

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کون سا دین ہے جس کو موجودہ زمانہ کے علمبرداران اسلام نے دریافت کیا ہے۔ وہ نفرت کا دین ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مفروضہ دشمنان اسلام کو ذلیل کیا جائے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا اسلام یہ تھا کہ انھوں نے لوگوں کی خیر خواہی میں ان کے لئے دعائیں کیں۔ وہ اس لئے تڑپے کہ لوگ ہدایت کو قبول کر کے جہنم کی آگ سے بچ سکیں۔ انھوں نے اپنے دشمنوں سے بھی محبت کا سلوک کیا تاکہ ان کا دل اسلام کے لئے نرم ہو۔ انھوں نے ظالموں کو بھی بے عزت کرنا پسند نہیں کیا تاکہ ان کے اندر حمیتِ جاہلیہ کی آگ نہ بھڑکے۔ انھوں نے بگڑے ہوئے لوگوں کے ساتھ تالیف قلب کا معاملہ کیا تاکہ ان کی فطرت کو جگایا جاسکے۔ مگر موجودہ زمانہ کے مسلم قائدین نے ایک ایسا اسلام دریافت کر رکھا ہے جو انھیں اس کے بالکل برعکس سبق دیتا ہے۔

آج کی دنیا میں اسلام کے نام پر دوسروں سے نفرت کرنے والے بہت ہیں مگر اسلام کے نام پر دوسروں سے محبت کرنے والا کوئی نہیں۔ اسلام کے لئے جھنڈا اٹھانے والے بے شمار ہیں مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں جو اسلام کے لئے اپنے جھنڈے کو نیچا کر لے۔ اسلام کے لئے دوسروں سے لڑنے والے ہر طرف دکھائی دیتے ہیں مگر اسلام کے لئے صلح کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اسلام کے لئے بولنے والوں سے خدا کی زمین بھر گئی ہے مگر وہ انسان ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا جو اسلام کی خاطر چپ ہو گیا ہو۔

اسلام کے نام پر لوگوں کو پیروں سے روندنے والے بہت ہیں مگر خدا کا وہ بندہ کہیں دکھائی نہیں دیتا جو اسلام کی خاطر لوگوں کو اپنے سینہ سے لگا لے۔

حق کو پانا

انسان کا ذہن حق کا آئینہ ہے۔ آئینہ کے سامنے کوئی چیز لائی جائے تو وہ اس کی ہو بہو صورت اپنی سطح پر اتار لیتا ہے۔ وہ کبھی اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ٹھیک یہی حال آدمی کے ذہن کا ہے۔ اس کے سامنے جب حق آتا ہے تو وہ فوراً اس کو پہچان لیتا ہے۔ وہ پوری طرح اسے پالیتا ہے۔ وہ نہ دیکھنے میں غلطی کرتا اور نہ پہچاننے میں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ آیات بینات (کھلے دلائل) کے ذریعہ حق سامنے آتا ہے، اس کے باوجود بے شمار لوگ اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ اور وہ نفسیاتی اٹکاؤ ہے۔ ایسے افراد کا گہرا تجزیہ کیجئے تو ان کے انکار کی وجہ کوئی حقیقی دلیل نہیں ہوگی۔ بلکہ کوئی نہ کوئی دوسری غیر متعلق چیز ہوگی جس کے ساتھ آدمی اٹکا ہوا ہوگا۔

سچائی کو پانے کی ایک ہی لازمی شرط ہے۔ وہ یہ کہ حق واضح ہونے کے بعد آدمی کسی بھی اور چیز کو اپنے لئے رکاوٹ نہ بننے دے۔ مگر آدمی اکثر حالات میں ایسا نہیں کر پاتا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کو اپنے لئے رکاوٹ بنا لیتا ہے۔

کوئی کسی شخصیت پر اٹک کر رہ جاتا ہے۔ کوئی کسی مفاد پر، کوئی کسی اور چیز پر۔ یہی وہ کمزوری ہے جس نے ہر دور میں بے شمار لوگوں کو سچائی اختیار کرنے سے محروم کر دیا۔ وہ پانے کے باوجود اس کو پانے میں ناکام رہے۔

ابوجہل کے لئے اس کا قبائلی مفاد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔ طائف کے لوگوں نے حق کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس کا اعلان ایک ایسے شخص کی زبان سے ہو رہا تھا جو بظاہر انہیں وقت کی بڑی بڑی شخصیتوں سے کم تر دکھائی دیتا تھا۔ یہود نے آپ کا انکار اس لئے کیا کہ آپ کو پیغمبر ماننے سے ان کا احساس برتری ٹوٹتا تھا۔ شہنشاہ ہرقل نے اس لئے اس کا اقرار نہیں کیا کہ اس نے محسوس کیا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں اپنی قوم سے کٹ جاؤں گا۔ ہر ایک دلیل سے مفتوح ہو چکا تھا۔ مگر ہر ایک کسی نہ کسی چیز میں اٹک کر اس کو قبول کرنے سے باز رہا۔

اس دنیا میں حق صرف اس شخص کو ملتا ہے جو کسی اٹکنے والی چیز پر نہ اٹکے۔ سچائی کا دلیل سے واضح ہو جانا ہی اس کے لئے کافی ہو کہ وہ اس کو ہمہ تن قبول کرلے۔

محبت کا نذرانہ

آدمی اپنی فطرت اور اپنے حالات کے لحاظ سے ایک ایسی مخلوق ہے جو ہمیشہ خارجی سہارا چاہتا ہے۔ ایک ایسی ہستی جو اس کی کمیوں کی تلافی کرے۔ اور جو اس کے لئے اعتماد و یقین کی بنیاد ہو۔ کسی کو اس حیثیت سے زندگی میں شامل کرنا اس کو اپنا معبود بنانا ہے۔ جب آدمی کسی ہستی کو اپنا معبود بناتا ہے تو اس کے بعد لازمی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور عقیدت کے جذبات اس کے لئے خاص ہو جاتے ہیں۔ آدمی عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے وہ کسی سے حبّ شدید کرے اور جس سے کوئی شخص حبّ شدید کرے وہی اس کا معبود ہے۔

موجودہ دنیا میں چوں کہ خدا نظر نہیں آتا اس لئے ظاہر پرست انسان عام طور پر نظر آنے والی ہستیوں میں سے کسی ہستی کو وہ مقام دے دیتا ہے جو دراصل خدا کو دینا چاہئے۔ یہ ہستیاں اکثر وہ سردار یا پیشوا ہوتے ہیں جن کو آدمی "بڑا" سمجھ لیتا ہے۔ اور پھر وہ دھیرے دھیرے لوگوں کی توجہات کا مرکز بن جاتے ہیں۔ لوگ ان کے اس طرح گرویدہ ہو جاتے ہیں جیسا گرویدہ انھیں صرف خدا کا ہونا چاہئے۔ آدمی کی فطرت کا خلا جو حقیقۃً اس لئے تھا کہ اس کو خدا سے پر کیا جائے وہاں وہ کسی غیر خدا کو بٹھا لیتا ہے (البقرہ ۱۶۵)

مذہبی احساس جب اپنے اعلیٰ ترین اسٹیج کو پہنچتا ہے تو وہ محبت میں ڈھل جاتا ہے۔ خدا ہر قسم کی خوبیوں کا اعلیٰ ترین مجموعہ ہے۔ انسان جتنی بھی چیزوں کا مالک ہے وہ سب کی سب خدا کا عطیہ ہیں۔ کائنات کا گہرا مشاہدہ ایک ایسے خالق کا تعارف کراتا ہے جو حیرت ناک حد تک حسن و کمال کی خصوصیات رکھنے والا ہے۔

یہ ہے خدا اور کوئی آدمی جب ایسے خدا کو پا لیتا ہے تو وہ بالکل فطری طور پر اس کی عقیدت و محبت میں سرشار ہو جاتا ہے۔

انسان کے پاس کسی کو دینے کے لئے جو سب سے بڑی چیز ہے وہ محبت ہے۔ ایسی حالت میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص خدا جیسی باکمال ہستی کو پائے اور اس کی خدمت میں محبت سے کم تر درجہ کی کوئی چیز پیش کرے۔ محبت سے کم کوئی چیز نہ تو خدا قبول کرتا اور نہ کسی انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ خدا کے حضور میں محبت سے کم کسی چیز کا نذرانہ پیش کرے۔

دل کا سکون

آج کی دنیا ترقی یافتہ دنیا کہی جاتی ہے۔ مگر یہ تمام ترقیاں صرف "چیزوں" کی ہوئی ہیں۔ جہاں تک " انسان ''کا تعلق ہے، وہ بدستور غیر ترقی یافتہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔ انسان پیچھے ہے اور چیزیں آگے ۔

سب سے بڑی چیز جو انسان چاہتا ہے وہ سکون ہے۔ مگر آج کسی کو سکون حاصل نہیں۔ جدید مادی ترقیوں نے صرف یہ کیا ہے کہ انسان سے اس کا سکون چھین لیا ہے۔ یہ ترقیاں انسان کو سکون دینے میں سراسر ناکام ثابت ہوئی ہیں۔

موجودہ دنیا میں ایک عجیب تضاد نظر آتا ہے۔ یہاں سامانِ سکون ہے مگر سکون نہیں۔ یہاں قہقہوں کا شور ہے مگر دل کا چین نہیں۔ یہاں خوشی کے اسباب کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ مگر حقیقی خوشی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ بالکل سادہ ہے۔ ہم روح جیسی برتر چیز کو مادہ جیسی کمتر چیز کے ذریعہ خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایسا ہونا کبھی اس دنیا میں ممکن نہیں۔ جولین آف ناروچ (Julian of Norwich) نے صحیح کہا ہے کہ ہماری روح کبھی ان چیزوں میں سکون نہیں پا سکتی جو خود اس سے نیچی ہوں،

Our soul may never rest in things that are beneath itself

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ ہماری معلوم دنیا کی سب سے برتر مخلوق ہے۔ اس کائنات میں انسان کے اوپر صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ خود خالق ہے۔ یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ انسان کے لئے سکون اور راحت کا واحد ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پالے۔ اس سے کمتر کوئی چیز اس کے لئے سکون اور راحت کا سبب نہیں بن سکتی۔

یہی حقیقت ہے جو قرآن میں ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذکر الله الا بذکر الله تطمئن القلوب (الرعد ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان ملتا ہے۔ جان لو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

کمپوٹر

امریکہ اور جاپان آجکل کمپوٹر کی پانچویں نسل تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کمپوٹر دیکھے گا، بولے گا اور سوچے گا۔ امریکہ کے دفاعی محکمہ پنٹاگان نے فوری طور پر ۶۰۰ ملین ڈالر کا عطیہ ان کمپنیوں کو دیا ہے جو کمپوٹر تکنیک پر تحقیق کر رہی ہیں۔ جاپان کی حکومت نے بھی اسی قسم کی امداد جاری کی ہے۔

اس وقت جدید ترین کمپوٹر ایک سکنڈ میں ۵۰۰ ملین آپریشن کو شمار کرتا ہے۔ اندازہ ہے کہ ۱۹۸۶ تک ایسے کمپوٹر بن جائیں گے جو ایک سکنڈ میں ایک بلین آپریشن کو شمار کر سکیں گے۔ تاہم پنٹاگان اس سے مطمئن نہیں ہے۔ اگلے دس سال کے اندر وہ ایسا سپر کمپوٹر تیار کرنا چاہتا ہے جو ایک سکنڈ میں ایک ہزار بلین آپریشن کا شمار کر سکے۔

اس وقت انسانی شکل کے ایسے کمپوٹر (روبوٹ) بنائے جا چکے ہیں جو آپریٹر کے کہنے پر اپنا بازو نیچے یا اوپر کرتے ہیں اور دائیں بائیں گھومتے ہیں۔ بشرطیکہ آپریٹر نے وہی "زبان" استعمال کی ہو جو کمپوٹر کو بتائی گئی ہے۔ اب ماہرین ایسے کمپوٹر بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جن کے اندر مشینی مشاہدہ کی صلاحیت ہو۔ یہ کمپوٹر نقشوں کا مطالعہ کر کے یہ جان سکیں گے کہ کون سا جہاز دشمن قوم کا جہاز ہے اور کونسا دوست کا جہاز۔ جو جہاز دشمن کا جہاز ہوگا اس کو وہ مار گرائیں گے۔

کمپوٹر سائنس کی اس ترقی نے سائنس کی دنیا میں ایک نیا لفظ پیدا کیا ہے جس کو مصنوعی ذہانت کہا جاتا ہے۔ اس لفظ سے عام لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسانی ذہانت (فطری ذہانت) کو مصنوعی طور پر بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ سراسر فریب ہے۔ کمپوٹر کی مصنوعی ذہانت ٹیپ ریکارڈر کے مصنوعی تکلم سے کچھ بھی مختلف نہیں۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دونوں "تکرار" ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک سادہ تکرار ہے۔ اور دوسری پیچیدہ تکرار۔ کمپوٹر سائنس کے ایک عالم نے لکھا ہے:

> It is impossible to develop an artificial intelligence as it is understood literally. It is impossible in principle. The human brain is a very sophisticated system composed of tens of billions of inter-connected cells. Each cell is extremely complex in itself. A rather plausible hypothesis says that an individual cell processes the signals penetrating it like a computor. Therefore, even the most sophisticated machine we may imagine cannot even be compared to the brain.
>
> The Times of India, November 9, 1983

تین چیزیں

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ، ان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال : ثلاث منجیات وثلاث مھلکات : فالمنجیات، فتقوی اللّٰہ فی السر والعلانیۃ والقول بالحق فی الرضا والغضب والقصد فی الفقر والغنی۔ واما المھلکات : فھوی متبع، وشح مطاع واعجاب المرء بنفسہ وھی اشدھن۔ (رواہ البیہقی)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں۔ چھپے اور کھلے ہر حال میں اللہ سے ڈرنا۔ خوشی اور ناراضگی دونوں حالت میں حق بات کہنا۔ محتاجی اور دولت مندی دونوں میں اعتدال پر قائم رہنا۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں۔ خواہش کے پیچھے چلنا۔ حرص کی پیروی۔ آدمی کا اپنے آپ کو اونچا سمجھنا اور یہ آخری چیز سب سے زیادہ سخت ہے۔

چھ چیزیں جو اس حدیث میں بتائی گئی ہیں یہ دراصل ایمان کی پہچان ہیں۔ جس آدمی کو خدا کی گہری معرفت حاصل ہو جائے اس کا حال یہ ہو جائے گا کہ اس کو ہر وقت یہ محسوس ہو گا کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

ایسے آدمی کے لئے کھلی اور چھپی دونوں حالتیں برابر ہو جاتی ہیں۔ وہ خوش ہو جب بھی ایک حد کے اندر رہتا ہے اور ناخوش ہو تب بھی اس کی زبان پر خوف خدا کی لگام لگی رہتی ہے۔ محتاجی اور دولت مندی دونوں اس کے لئے یکساں ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ خدا کی نسبت سے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

ایسے آدمی کے اوپر یہ یقین چھا جاتا ہے کہ آخرکار اسے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ یہ احساس اس سے یہ آزادی چھین لیتا ہے کہ وہ خواہشات کے پیچھے دوڑے۔ وہ حرص کی بندگی میں مبتلا ہو۔ اپنے آپ کو اونچا سمجھنا اس کے لئے ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کوئی چیونٹی پہاڑ کے نیچے رینگ رہی ہو اور اپنی بڑائی کے فخر میں مبتلا ہو۔ خدا کو پانا دراصل اس حقیقت کو پانا ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے۔ جو شخص خدا کو سب سے بڑے کی حیثیت سے پالے اس کے اندر اپنی بڑائی کا احساس کہاں سے پیدا ہوگا۔

نصیحت

امام عبدالرحمن اوزاعی (۱۵۷ - ۸۸ھ) بہت بڑے عالم تھے۔ مگر وہ اکثر چپ رہتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ مومن کم بولتا ہے اور زیادہ عمل کرتا ہے اور منافق زیادہ بولتا ہے اور کم عمل کرتا ہے (ان المومن یقول قلیلا ویعمل کثیرا وان المنافق یقول کثیرا ویعمل قلیلا)

وہ ظواہر دین کے مقابلہ میں حقیقت دین پر زور دیتے تھے۔ ایک بار انھوں نے کہا کہ عدل کی ایک ساعت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے (ساعة عدل خیر من عبادة الف شھر)

امام اوزاعی کے ایک شاگرد ابوالفضل بن الولید بن مزید نے اپنے استاد کے بارہ میں اپنا تجربہ ان الفاظ میں بتایا ہے:

من نظر فی کتب الاوزاعی یظن انہ کان صاحب کلام۔ وما رأیت قط رجلا اطول منہ سکوتاً (الشیخ طہ الولی، عبدالرحمن الاوزاعی، بیروت ۱۹۶۸، صفحہ ۶۷)

جو شخص امام اوزاعی کی کتابوں کو دیکھے گا وہ گمان کرے گا کہ وہ بڑے بولنے والے تھے۔ حالاں کہ ان سے زیادہ دیر تک چپ رہنے والا میں نے کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام اوزاعی کو بلایا اور ان سے فرمائش کی کہ وہ خلیفہ کو نصیحت کریں۔ اس موقع پر امام اوزاعی نے نصیحت کے جو کلمات کہے ان میں سے ایک فقرہ یہ تھا:

یا امیر المومنین، تدری ما جاء فی تاویل ھذہ الایة عن جدك (مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصاھا) قال الصغیرة التبسم والکبیرة الضحك۔ فکیف بما عملتہ الایدی وحصدتہ الالسن (صفحہ ۴۷)

اے امیر المومنین کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس آیت کے بارہ میں آپ کے دادا عبداللہ ابن عباس نے کیا کہا ہے (کیسی عجیب ہے یہ کتاب جس نے چھوٹی بڑی ہر چیز لکھی ہے) انھوں نے کہا ہے کہ صغیرہ سے مراد مسکرانا ہے اور کبیرہ سے مراد ہنسنا ہے۔ پھر ان اعمال کا کیا ذکر جو ہاتھ کریں اور جو زبان سے صادر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا مطلب یہ تھا کہ ہنسنا اور مسکرانا جن کو تم بالکل معمولی چیز سمجھتے ہو وہ بھی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جا رہا ہے پھر دوسرے زیادہ بڑے اعمال کا کیا ذکر۔

کب بولیں

حضرت ابوموسیٰ الاشعری ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو عدن کا والی مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔

حضرت ابوموسیٰ کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی معاملہ میں فیصلہ کرے یہاں تک کہ حق اس پر اس طرح واضح ہو جائے جس طرح اس پر رات کے مقابلہ میں دن واضح ہوتا ہے (لاینبغی للقاضی ان یقضی حتی یتبین له الحق کما یتبین له اللیل من النہار) حضرت عمر فاروق نے یہ قول سنا تو کہا کہ ابوموسیٰ الاشعری نے سچ کہا، قاضی کا طریقہ یہی ہونا چاہئے (صدق ابوموسیٰ الاشعری)

حضرت ابوموسیٰ الاشعری کے اس قول کا تعلق صرف قاضی یا حاکم سے نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تعلق ہر انسان سے ہے۔ جس طرح قاضی کے سامنے دوسروں کے معاملات آتے ہیں اور وہ ان کو سن کر ان کے بارہ میں کوئی ایک رائے ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ہر آدمی کے سامنے دوسروں کے معاملات آتے ہیں اور وہ ان کے بارہ میں اپنی کوئی رائے ظاہر کرتا ہے۔ اس اظہار رائے کی حیثیت انفرادی سطح پر وہی ہے جو عدالتی سطح پر قاضی کے فیصلے کی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ قانونی طور پر نافذ ہوتا ہے اور عام انسان کا قول دوسروں کے اوپر عملاً نافذ نہیں ہوتا۔

تاہم ہر آدمی کو اپنے قول کی جواب دہی آخرکار خدا کے سامنے کرنی ہے۔ اور اس اعتبار سے دونوں کی حیثیت بالکل ایک ہے۔ دونوں کی یکساں پکڑ ہونے والی ہے۔ ہر آدمی جو خدا کے سامنے حاضری کا عقیدہ رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ کسی معاملہ میں صرف اس وقت بولے جب کہ اس پر اس معاملہ کی حقیقت اس طرح کھل جائے جس طرح رات کے بعد دن اس کے اوپر واضح ہو جاتا ہے۔ جس معاملہ کی حقیقت اس طرح نمایاں طور پر واضح نہ ہو اس معاملہ میں اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ یہ کہ وہ اپنی زبان بند رکھے۔

خدا سے ڈرنے والا آدمی صرف واضح معاملہ میں بولتا ہے۔ اور جو معاملہ واضح نہ ہو اس کو وہ اپنے خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔

جھوٹی بڑائی

حضرت عمر فاروق بحیثیت خلیفہ مدینہ میں تقریر کر رہے ہیں۔ ایک شخص اٹھ کر کہتا ہے کہ خدا کی قسم اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھ پائیں گے تو ہم اپنی تلوار سے اس کو سیدھا کر دیں گے (واللہ لو علمنا فیك اعوجاجا لقومناہ بسیوفنا) بظاہر یہ نہایت سخت تنقید ہے اور بڑی گستاخی کی بات ہے۔ مگر نہ عمر فاروق اس کو برا مانتے اور نہ سارے مجمع سے کوئی ایک شخص اٹھ کر یہ کہتا کہ تم نے ایسا کیوں کہا۔ اس طرح کے تنقیدی واقعات صحابہ کے درمیان روزانہ پیش آتے تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی یہ صورت حال باقی رہی۔ مگر کبھی کسی نے اس کو برا نہ مانا۔ اگر کہا تو صرف یہ کہا کہ جو بات کہو تحقیق کے ساتھ کہو۔ نہ کہ بے تحقیق باتوں پر ایک دوسرے کے خلاف رائے زنی کرنے لگو۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگ انسانوں کی عظمت میں نہیں جیتے تھے بلکہ صرف ایک خدا کی عظمت میں جیتے تھے۔ ان کے دل پر اس سے چوٹ نہیں لگتی تھی کہ کوئی شخص کسی انسان پر کیوں تنقید کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ بڑائی کا سارا حق صرف خدا کو دئے ہوئے تھے۔ اور انسانوں پر تنقید کرنے سے خدا کی بڑائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس کے برعکس موجودہ زمانہ میں اگر کسی شخصیت پر تنقید کر دیجئے تو خواہ وہ تنقید کتنا ہی علمی اور تحقیقی کیوں نہ ہو، اس کے معتقدین فوراً برہم ہو جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسانوں ہی کو اپنا بڑا بنائے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ ان کی بڑائی کا مینار گر جائے۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ نماز اور اذان میں وہ اللہ اکبر (اللہ بڑا ہے) کہتے ہیں مگر یہ صرف الفاظ ہیں جن کو لوگ زبان سے ادا کرتے ہیں۔ ورنہ حقیقۃً لوگ جس بڑائی میں جی رہے ہیں وہ انسان کی بڑائی ہے نہ کہ خدا کی بڑائی۔

لوگوں کو جاننا چاہئے کہ غیر اللہ کی بڑائی میں جینے کا موقع صرف اس وقت تک ہے جب تک امتحان و آزمائش کی مدت ختم نہ ہو۔ اس کے ختم ہوتے ہی اس کا موقع بھی ختم ہو جائے گا۔ پھر جن لوگوں کی غذا انسان کی جھوٹی بڑائی ہو، وہ اس وقت کس چیز کو اپنی غذا بنائیں گے جبکہ تمام دوسری بڑائیاں ختم ہو جائیں گی اور خدا کی سچی بڑائی کے سوا کوئی بڑائی نہ ہوگی جس کو آدمی اپنی غذا بنائے۔ اور جس کے بل پر وہ جی سکے۔

زندگی کا انجام

ماستی وینکا ٹیسا آئنگر (۹۴ سال) کنٹر زبان کے مشہور مصنف ہیں۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ میسور سول سروس میں شامل ہوئے۔ اپنی اعلیٰ خدمات کی بنا پر انھیں ریاست میسور کا وزیر ہونا چاہئے تھا۔ مگر ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی۔ چنانچہ وہ بددل ہو کر وقت سے پہلے ریٹائر ہو گئے۔

ملازمت سے الگ ہو کر انھوں نے کہانیاں اور ناول لکھنا شروع کیا۔ اس میدان میں انھیں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ آج وہ تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی کتاب چکا ویرا راجیندر پر حکومت ہند نے ان کو گیان پیٹھ کا خطاب اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ بطور انعام دیا ہے۔

مسٹر وی سری دھر موصوف سے ملے اور ان سے ایک انٹرویو (ٹائمس آف انڈیا ۱۲ اگست ۱۹۸۴) لیا۔ مسٹر ماستی اگرچہ اپنی تمام کتابوں کو ادبی شاہکار سمجھتے ہیں۔ مگر حکومت کے اعلیٰ انعام پر وہ خوش نہ ہو سکے۔ انھوں نے کہا:

I am too old to be happy

یعنی ۹۴ سال کی عمر کو پہنچ کر میں اتنا زیادہ بوڑھا ہو چکا ہوں کہ کوئی خوشی میرے لئے خوشی نہیں۔ مسٹر ماستی کی پہلی کہانی ۱۹۱۲ میں شائع ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے انھیں اپنے ادبی کمالات کے اعتراف کے لئے ۷۰ سال انتظار کرنا پڑا۔ مگر لمبی مدت کے بعد جب انھیں عزت اور انعام ملا تو وہ وقت تھا جب کہ بڑھاپے نے ان کے چہرے پر جھریوں کی مالا پہنا دی تھی۔

مسٹر ماستی کی کہانی موجودہ دنیا میں ہر شخص کی کہانی ہے۔ اس دنیا میں ہر آدمی کا یہ قصہ ہے کہ وہ محنت کرتا ہے۔ اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے۔ بالآخر "ستر سال" کی محنت کے بعد وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں عزت اور انعام ملے۔ مگر اس وقت وہ بوڑھا ہو چکا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ کسی بھی صبح یا شام موت آ جاتی ہے اور اس کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی عمر بھر کی کمائی کو چھوڑ کر ایسی دنیا کی طرف چلا جائے جس کے لئے اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔

۳۱ دن کے لئے

جنوری ۱۹۸۳ میں آندھرا پردیش میں تلگو دیسم پارٹی برسراقتدار آئی۔ تاہم ۱۶ اگست ۱۹۸۴ کو گورنر مسٹر رام لال نے تلگو دیسم وزارت کو برخاست کر دیا اور مسٹر نریندر بھاسکر راؤ سے کہا کہ وہ کانگرس سے مل کر وزارت بنائیں۔ گورنر نے از روئے دستوریہ ہدایت کی کہ وہ ۳۰ دن کے اندر یہ ثابت کریں کہ ۲۹۳ رکنی اسمبلی میں ان کی اکثریت ہے۔

اس کے بعد ممبروں کو توڑنے کی کوشش شروع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک ممبر کی قیمت ۲۰ لاکھ روپے تک لگادی گئی (ہندستان ٹائمس ۱۳ ستمبر ۱۹۸۴) مگر معزول وزیر اعلا مسٹر این ٹی راما راؤ نے وزارت کی برخاستگی کے بعد اپنی پارٹی کے ممبران اسمبلی کو اپنے راما کرشنا اسٹوڈیوز میں بند کر دیا۔ ۳۰ دن گزر گئے اور مسٹر بھاسکر راؤ اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ ان کی وزارت غیر قانونی ہو گئی۔ چنانچہ نئے گورنر شنکر دیال شرما نے ۱۶ ستمبر ۱۹۸۴ کو نیا حکم جاری کیا جس کے مطابق مسٹر بھاسکر راؤ کو وزارت چھوڑ دینی پڑی اور مسٹر این ٹی راما راؤ دوبارہ حکومت کے ایوان میں داخل ہو گئے۔

اس سلسلے میں ٹائمس آف انڈیا (۱۹ ستمبر ۱۹۸۴) نے ایک خصوصی رپورٹ میں دکھایا ہے کہ مسٹر بھاسکر راؤ نے اپنی مختصر وزارت کے دوران کیا کیا۔ انھوں نے حکومت کا ایک سو کروڑ روپیہ سے زیادہ کا فنڈ ریلیز کر دیا۔ انھوں نے اسمبلی کے ممبروں کو کھلی پیشکش کر دی کہ پارٹی چھوڑ کر آؤ اور وزیر بن جاؤ:

Defect and be a minister

اس قسم کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے اخبار مذکور کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ مسٹر بھاسکر راؤ ۳۱ دن تک وزیر اعلا رہے۔ اس غیر یقینی مدت میں انھوں نے اس طرح عمل کیا گویا کہ وہ اس عہدہ پر ایک سو سال تک رہنے کے لئے آئے تھے:

During his 31-day uncertain career as chief minister, Mr Bhaskara Rao behaved and acted as if he had come to stay for a hundred year.

یہی ہر آدمی کا حال ہے۔ موجودہ دنیا میں ہر آدمی صرف "۳۰ دن" کے لئے آیا ہے۔ مگر وہ اس طرح رہتا ہے جیسے کہ وہ "سو سال" سے پہلے یہاں سے جانے والا نہیں۔ کیسا عجیب ہے موجودہ دنیا میں انسان کا آنا اور کیسا عجیب ہے اس کا یہاں سے جانا۔

خودکشی

مسٹر آئنادیو انگاڈی (بنگلور) اس وقت کیمبرج میں زیر تعلیم تھے جب پنڈت جواہرلال نہرو وہاں تعلیم کے لئے گئے۔ ان کا اور نہرو کا بہت قریبی ساتھ تھا۔ چنانچہ ان کے بیٹے مسٹر ڈیرین انگاڈی کی پرورش اس طرح ہوئی کہ وہ بچپن سے نہرو کے تذکرے سنتے تھے اور نہرو کی نقل کرتے تھے۔ مسٹر ڈیرین انگاڈی بعد کو فلم ایکٹر بن گئے۔

لارڈ اٹن برو نے تقریباً ۵ ۲ کروڑ روپئے کے خرچ سے "گاندھی" نامی مشہور فلم بنائی ہے۔ ابتداءً جب اس فلم کے لئے کرداروں کی تلاش ہوئی تو جواہرلال نہرو کا رول ادا کرنے کے لئے مسٹر ڈیرین انگاڈی کو موزوں سمجھا گیا اور ان کو اس کام کے لئے منتخب کرلیا گیا۔ مگر چھ ماہ بعد انھیں اطلاع دی گئی کہ ان کا نام کرداروں کی فہرست سے خارج کردیا گیا ہے اور مسٹر روشن سیٹھ ان کے بجائے پنڈت نہرو کا رول ادا کریں گے:

> This was six months after Darien Angadi had been given the part, during which he had worked hard to perfect his role.

ڈیرین کو رول دینے کے چھ ماہ بعد ایسا ہوا جس کے دوران انھوں نے سخت محنت کی تھی تاکہ وہ فلم میں معیاری رول ادا کرسکیں (ہندستان ٹائمس ۱۶ ستمبر ۱۹۸۲) مسٹر ڈیرین کو اس کا اتنا صدمہ ہوا کہ انھوں نے ۵ دسمبر ۱۹۸۱ کو خودکشی کرلی۔

مذکورہ شخص نے کیوں خودکشی کرلی۔ اس لئے کہ اس نے چھ مہینے تک محنت کرکے اپنے اندر جو صلاحیت پیدا کی تھی اس کو اس کا وہ استعمال نہیں ملا جو اس نے چاہا تھا۔ اس سے اس کے اندر مایوسی پیدا ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔

مگر انسان اپنی محنت سے اپنے اندر جو صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ وہ صلاحیت اپنی قیمت آپ ہے۔ اگر فوری طور پر اس کو اس کے استعمال کا موقع نہ ملے تب بھی وہ ایک محفوظ خزانہ ہے۔ اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس کی محنت بےکار چلی گئی۔ اس کی محنت سے پیدا شدہ لیاقت بدستور اس کے پاس موجود رہتی ہے اور جلد ہی آدمی کوئی دوسرا موقع پالیتا ہے جہاں وہ اس کو استعمال کرکے اس کی پوری قیمت وصول کرسکے۔

چالیس سال بعد

۳۱ جولائی ۱۹۸۴ کو دہلی میں فیض روڈ کے پاس ایک لاش ملی۔ اس کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی اور اس کو بری طرح قتل کرکے ایک پارک میں ڈال دیا گیا تھا۔ پولس نے کافی کوشش کی اور اشتہارات دئے مگر مقتول کی شناخت ممکن نہ ہوسکی۔ مقتول کے جسم پر جو قمیص تھی اس پر "آزاد ٹیلرس" کا لیبل لگا ہوا تھا۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس پر کوڈ نمبر ۵۲ بھی درج ہے۔ کافی "تلاش وجستجو کے بعد آخر کار پولس ساون پارک کی ایک چھوٹی سی دکان تک پہنچی۔ اس دکان کے مالک صلاح الدین نے بڑی مشکل سے " پانڈے " نام کے ایک شخص کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد پولیس قریب کے " کمال کلاتھ ہاؤس " تک پہنچی جس نے بتایا کہ مذکورہ شخص کا پورا نام دیونرائن پانڈے تھا۔ اس کا وطن فیض آباد تھا اور کام کے لئے وہ دہلی میں رہتا تھا۔

دیونرائن پانڈے موزائک فرش کی پالشس کا کام کرتا تھا۔ پولس کی یہ تحقیق جاری رہی۔ بالآخر معلوم ہوا کہ مذکورہ شخص نے چالیس سال پہلے ایک شخص کو کسی ذاتی رنجش کی بنا پر مار ڈالا تھا۔ اس مقتول کا بھتیجا مہندر کمار چودھری (۲۳ سال) بچپن سے اپنے گھر میں سنتا آیا تھا کہ پانڈے نے اس کے چچا کو قتل کیا ہے۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے دیونرائن پانڈے سے دوستی کی اور ایک دن موقع پاکر اس کو قتل کر دیا۔ قاتل اب پولس کی حراست میں ہے اور اس نے جرم کا اقبال کرلیا ہے (ہندستان ٹائمس ۱۴ستمبر ۱۹۸۴ء)

مہندر کمار چودھری کا خاندان چالیس سال بعد بھی اپنے قاتل کو نہ بھلا سکا۔ اس کے انتقام کی آگ اس وقت تک ٹھنڈی نہ ہوئی جب تک اس نے مارنے والے کو مار نہ ڈالا۔

ہر ماحول میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کا حل بدلہ لینا نہیں بلکہ بھلا دینا ہے۔ شکایت کو بھلانا مسئلہ کو گھٹاتا ہے اور شکایت کا بدلہ لینا مسئلہ کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔

مگر یہ کوئی آسان معاملہ نہیں۔ آدمی ایک کھوئی ہوئی چیز کو اسی وقت بھلا سکتا ہے جب کہ وہ اس سے بڑی چیز اپنے لئے پالے۔ محرومی کو بھلانے کے لئے ہمیشہ کوئی بڑی چیز درکار ہوتی ہے۔ یہ " بڑی چیز " صرف آخرت ہے۔ آخرت کا عقیدہ آدمی کو وہ سب سے بڑی چیز دے دیتا ہے جس کے مقابلہ میں ہر چیز کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت کو پانے والا ہر دوسری چیز کا کھونا گوارا کر لیتا ہے۔

اپنی کوشش سے

نفسیات کے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ انسان پیدائشی طور پر جن صلاحیتوں کا مالک ہے عام طور وہ ان کا صرف دس فی صد حصہ استعمال کرتا ہے۔ اس تحقیق کا ذکر کرتے ہوئے ہارورڈ یونی ورسٹی کے پروفیسر ولیم جیمس نے کہا —— "جو کچھ ہمیں بننا چاہئے وہ کچھ ہم بننے کے لئے تیار نہیں" ہم کو دوسروں سے شکایت ہے کہ وہ ہم کو ہمارا حصہ نہیں دیتے۔ مگر سب سے پہلے ہم کو خود اپنے آپ سے شکایت ہونی چاہئے کہ قدرت نے پیدائشی طور پر ہمارے لئے دنیا میں جو ترقیاں اور کامیابیاں مقدر کی تھیں، ہم اس کے مقابلہ میں ایک بہت کمتر زندگی پر قانع ہو کر رہ گئے ہیں۔

ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے خود اپنی طرف دیکھے۔ کیوں کہ انسان آپ ہی اپنا دوست بھی ہے اور آپ ہی اپنا دشمن بھی۔ آدمی کے باہر نہ اس کا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی اس کا دشمن۔ آدمی اپنی امکانیات کو استعمال کر کے کامیابی حاصل کرتا ہے اور جب وہ اپنی امکانیات کو استعمال نہ کرے تو اسی کا دوسرا نام ناکامی ہے۔

تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ کوششوں کا استعمال صحیح رخ پر ہو۔ غلط رخ پر کوشش کرنا اپنی قوتوں کو ضائع کرنے کے ہم معنی ہے۔

قدیم انسان کے نزدیک دولت مند بننے کی صورت صرف ایک تھی۔ وہ یہ کہ لوہے کو سونا بنایا جائے۔ وہ قیمتی چیز کے نام سے صرف سونے کو جانتا تھا۔ بے شمار لوگ ہزاروں سال تک لوہے کو سونا بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ان کے حصہ میں بالآخر اس کے سوا اور کچھ نہ آیا کہ اپنے وقت اور پیسہ کو ضائع کریں اور پھر ایک دن حسرت کے ساتھ مر جائیں۔

مگر خدا کی دنیا میں ایک اور اس سے زیادہ بڑا امکان موجود تھا۔ اور وہ تھا لوہے کو مشین میں تبدیل کرنا۔ موجودہ زمانہ میں مغربی قوموں نے اس راز کو جانا اور اپنی محنتیں اس رخ پر لگا دیں۔ انھوں نے لوہے کو مشین میں تبدیل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سونے اور چاندی سے بھی زیادہ بڑی مقدار میں دولت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ناکامی کا سبب

لاس اینجلس میں ہونے والے اولمپک گیم (جولائی۔ اگست ۱۹۸۴) میں ہندستان سے حصہ لینے والوں کا جو دستہ گیا تھا اس میں کل ۶۲ افراد تھے۔ کھیل کے خاتمہ پر یہ لوگ واپس ہوکر ۱۶ اگست ۱۹۸۴ کو نئی دہلی پہنچے تو ہوائی اڈہ پران کا زیادہ پرجوش استقبال نہیں ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اولمپک میں کوئی میڈل نہ جیت سکے۔ نہ سونے کا نہ چاندی کا اور نہ کانسی کا۔

اس ناکامی کا سبب کیا تھا، ٹائمس آف انڈیا کی رپورٹ (۱۷ اگست ۱۹۸۴) کے مطابق لوٹنے والے کھلاڑیوں میں سے ایک نے کہا کہ سائنسی اور منظم تربیت کا نہ ہونا ہندستان کے ناقص کھیل کی بنیادی وجہ تھی۔ ہم نے اپنی بہترین کوشش کی۔ مگر بدقسمتی سے وہ کافی نہ تھی۔ ہندستانی ٹیم کی تربیت کافی پہلے سے شروع ہونی چاہئے نہ کہ صرف تین ماہ پہلے سے۔ اس سلسلہ میں اخبار میں جو باتیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے ایک بات یہ ہے۔

> Lack of scientific and systematic training was the main reason for India's poor showing. We did our best but that, unfortunately, was not good enough. The training of Indian teams should start wel before an event and not just three months.

مذکورہ شخص نے جو بات اولمپک کے کھیل کے بارہ میں کہی وہی زندگی کے ہر "کھیل" کے لئے درست ہے۔

مقابلہ کی اس دنیا میں کامیابی کے لئے لازمی طور پر ضروری ہے کہ آپ میدان میں اتریں تو پوری تیاری کرکے اتریں۔ اگر آپ کم تر تیاری کے ساتھ زندگی کے میدان میں داخل ہو گئے تو آپ کے لئے ناکامی کے سوا کوئی اور چیز مقدر نہیں۔

آپ کی تیاری دو پہلوؤں کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔ ایک یہ کہ وہ باقاعدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ اگر آپ کی تربیت باقاعدہ اور منظم نہیں تو آپ زندگی کے اسٹیج پر شاعر اور خطیب بن کر رہ جائیں گے۔ اور اگر آپ کی تربیت وقت کے تقاضوں کے مطابق نہیں تو آپ کو صرف تاریخ کے عجائب خانہ میں جگہ ملے گی۔ آپ خواہ اور جو کچھ ہو جائیں۔ مگر آپ وقت کے زندہ نقشوں میں اپنے لئے جگہ نہیں بنا سکتے۔

خوداعتمادی کا راز

حبیب بھائی (حیدر آباد) نے ۱۲ فروری ۱۹۸۴ کو اپنا ایک واقعہ بیان کیا۔ وہ چند سال پہلے یوروپ کے ایک سفر پر گئے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ لوزان (سوئٹزرلینڈ) بھی گئے وہاں انھوں نے ایک دکان سے ایک کیمرہ خریدا۔ یہ کیمرہ انھیں ہندستانی قیمت کے لحاظ سے پانچ ہزار روپئے میں ملا۔ انھوں نے کیمرہ لے لیا۔ مگر بعد کو انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے غلطی کی ہے۔ ان کو یوروپ سے واپسی میں عمرہ کے لئے سعودی عرب بھی جانا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ سعودی عرب میں یہ کیمرہ تقریباً تین ہزار روپے میں مل جائے گا۔ پھر یہاں میں اس کو مہنگی قیمت میں کیوں خریدوں۔

اب انھوں نے چاہا کہ اس کیمرہ کو واپس کر دیں۔ مگر فوراً خیال آیا کہ جب میں دکان پر جاکر واپسی کے لئے دکاندار سے کہوں گا تو وہ پوچھے گا کہ کیوں واپس کر رہے ہو۔ واپسی کو برحق ثابت کرنے کے لئے مجھے کیمرے میں کوئی نقص بتانا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ادھر ادھر دیکھ کر یہ چاہا کہ کیمرہ میں کوئی خرابی دریافت کریں تاکہ اس کا حوالہ دے کر اپنی واپسی کو درست ثابت کر سکیں۔ مگر تلاش کے باوجود کیمرہ میں کوئی نقص نہیں ملا۔

تاہم ان کی طبیعت اندر سے زور کر رہی تھی۔ چنانچہ وہ کیمرہ لے کر دوبارہ دکان پر گئے۔ وہاں کاونٹر پر ایک خاتون کھڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ یہ کیمرہ میں نے آپ کے یہاں سے خریدا تھا۔ اب میں اس کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ جب انھوں نے یہ بات کہی تو ان کی توقع کے خلاف خاتون نے واپسی کی وجہ دریافت نہیں کی۔ اس نے صرف یہ پوچھا کہ آپ اپنی رقم ڈالر میں چاہتے ہیں یا ملکی سکہ میں۔ انھوں نے کہا کہ ڈالر میں۔ خاتون نے اسی وقت واپسی کا پرچہ بنا دیا۔ وہ اس کو لے کر دوسرے کاونٹر پر پہنچے۔ وہاں فوراً ان کو مذکورہ ڈالر واپس کر دئے گئے۔ جیسے کہ رقم اور مال میں اس کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں۔

سوئٹزرلینڈ کے دکان دار نے کیوں ایسا کیا کہ کچھ کہے بغیر فوراً کیمرہ واپس لے لیا، اور پوری قیمت لوٹا دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو اپنے مال کی کوالٹی پر پورا بھروسہ تھا۔ اس کو یقین تھا کہ میرا مال چوں کہ معیاری ہے اس لئے ضرور کوئی نہ کوئی اسے خریدے گا۔ خواہ ایک شخص اسے خریدے یا دوسرا شخص۔

فکری انقلاب

المعہد العلمی للفکر الاسلامی کا بین اقوامی سیمنار (کوالالمپور، جولائی ۱۹۸۴) مسلم نوجوانوں میں ایک نئے فکری دور کی علامت ہے۔ معہد کے فکر کا خلاصہ اس کے تعارفی پمفلٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ زمانہ میں امت مسلمہ کی ناکامی کا سبب خود اس کے اندر ہے نہ کہ اس کے باہر۔ وہ سبب ہے — ضروری بنیاد تیار کئے بغیر عملی اقدامات کرنا۔ معہد کے نزدیک پہلی ضروری چیز وہ ہے جس کو اسلامیۃ المعرفۃ (Islamization of knowledge) کے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ امت کے موجودہ بحران کو حل کرنے کے سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ علم کو اسلامی بنایا جائے:

> The first step toward a genuine solution of the present crisis of the Ummah is the Islamization of knowledge.

تقریباً ۱۲ سال پہلے میں نے ایک مقالہ لکھا تھا۔ یہ مقالہ عربی زبان میں اگست ۱۹۷۲ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا:

لابد من الثورة الفكرية قبل الثورة التشريعية

اس مقالہ میں تفصیل سے یہ دکھایا گیا تھا کہ سیاسی یا قانونی انقلاب سے پہلے فکری انقلاب ضروری ہے۔ امت کے عملی مسائل صرف اس وقت حل ہوں گے جب کہ ہم فکری انقلاب کے ذریعہ اس کے موافق فضا بنا چکے ہوں۔

یہاں میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عین وہی بات ہے جو خود قرآن کی رو سے ہمارا اہم ترین اجتماعی فریضہ قرار پاتی ہے۔ قرآن میں دو مقام پر (البقرہ ۱۹۳، الانفال ۳۹) یہ حکم دیا گیا ہے کہ — وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله:

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے، اس آیت میں فتنہ سے مراد شرک جارح ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس وقت اسلام تھوڑا تھا۔ چنانچہ جب کوئی شخص دین توحید کو اختیار کرتا تو اہل شرک اسے ستاتے۔ کسی کو وہ قتل کر دیتے، کسی کو زنجیروں میں باندھتے اور کسی کو عذاب دیتے۔ یہاں تک کہ اسلام کی کثرت ہو گئی اور یہ صورت حال باقی نہ رہی کہ عقیدہ توحید کی بنا پر کسی کو ستایا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں فتنہ سے وہی چیز مراد ہے جس کو ایذا رسانی (Persecution) کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف عقیدہ رکھنے کی بنا پر کسی کو ستانا۔ قدیم زمانہ میں شرک کو غلبہ حاصل تھا۔ چنانچہ اہل شرک ہزاروں سال تک یہ کرتے رہے کہ وہ توحید کا عقیدہ رکھنے والوں کو ستاتے (وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد)

پیغمبر آخرالزماں کا مشن یہ تھا جس کو آپ نے اپنی زندگی میں مکمل فرمایا کہ آپ اس مخالفانہ صورت حال کو ختم کر دیں۔ وہ شرک کے عمومی غلبہ کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیں۔ تاکہ خدا کے بندوں کے لئے توحید کا عقیدہ اختیار کرنے میں جو چیز رکاوٹ بن رہی ہے وہ رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارہ میں فرمایا: انا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر (الحدیث، ۴۰، صفحہ ۳۲۳)

موجودہ زمانہ میں شرک کی جارحانہ حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ مگر غور کیجئے تو اصل صورت حال دوبارہ ایک نئی شکل میں لوٹ آئی ہے۔ آج دوبارہ انسان کے لئے دین توحید اختیار کرنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مگر آج دین سے روکنے والا عنصر اپنا کام فکری طاقت کے زور پر کر رہا ہے نہ کہ شمشیری طاقت کے زور پر۔

آج کا فتنہ جدید ملحدانہ افکار کا فتنہ ہے۔ جو کام قدیم زمانہ میں شرک کرتا تھا وہ آج ملحدانہ افکار انجام دے رہے ہیں۔ آج کی دنیا میں ایسے افکار غالب آگئے ہیں جو خدا کے وجود کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ جو وحی و الہام کو فرضی بتاتے ہیں، جو آخرت کو بے بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ افکار دین توحید کو اختیار کرنے میں مانع بنے ہوئے ہیں۔ آج کا فتنہ یہ ہے کہ خود سوچنے کے انداز کو بنیادی طور پر بدل دیا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کا انسان یا تو منکر بن گیا ہے یا وہ کم از کم (متشکک) ہے۔

یہ ایک قسم کا فکری حملہ (Intellectual invasion) ہے۔ ہم کو اس حملہ کا مقابلہ کرنا ہے۔ اب ہمیں دوبارہ قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ پر عمل کرنا ہے۔ مگر یہ عمل شمشیر کے ذریعہ نہیں ہوگا، بلکہ افکار کی طاقت کے ذریعہ ہوگا۔ ملحدانہ افکار کا جواب ہمیں توحیدی افکار سے دینا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ اعلیٰ علمی استدلال سے جدید ملحدانہ افکار کو بے بنیاد ثابت کر دیا جائے۔ ہماری یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک یہ نظریات اپنا غلبہ کھو نہ دیں اور توحید کا فکر وقت کا غالب فکر نہ بن جائے۔

غلبہ اور مغلوبیت کا یہ واقعہ اولاً فکری میدان میں ہوگا۔ یہ اسی قسم کا ایک واقعہ ہوگا جیسا کہ ہم موجودہ زمانہ میں مغربی افکار کی مثال میں دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں سائنسی علوم

نے روایتی علوم پر غلبہ پایا ہے۔ شہنشاہی نظریہ کے اوپر جمہوری نظریہ فائق ثابت ہوا ہے۔ تخلیقی طرز فکر پر ارتقائی طرز فکر کو بالاتری حاصل ہے۔ اجتماعی معیشت کے نظریہ کے مقابلہ میں انفرادی معیشت کا نظریہ دفاعی پوزیشن میں چلا گیا ہے۔ یہ سب کے سب فکری غلبہ کے واقعات ہیں۔ اسی نوعیت کا غلبہ ملحدانہ فکر پر موحدانہ فکر کے لئے مطلوب ہے۔ یہی غلبہ ملت کی اگلی تمام کامیابیوں کی تمہید ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ موجودہ زمانہ میں ملحدانہ افکار کا غلبہ ان کی کسی جوہری اہمیت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے۔ یہ تمام تر صرف مغالطہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جو نئے سائنسی حقائق دریافت ہوئے وہ حقیقۃً قدرت خداوندی کے بھیدوں کا اظہار تھے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ دین توحید کے حق میں فطرت کے دلائل تھے۔ مسلمان مختلف اسباب سے جدید سائنسی علوم میں پیچھے ہو گئے۔ وہ اس قابل نہ ہو سکے کہ ان علوم کا رخ دے سکیں۔ اور ان کو دین کی تائید میں استعمال کریں۔ ملحد علماء نے اس خلا سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے جدید معلومات کو غلط تعبیر کے ذریعہ اپنے حق میں استعمال کیا۔ جن واقعات سے دین توحید کا اثبات نکل رہا تھا، ان کو دین الحاد کی دلیل بنا دیا۔

اس کی ایک واضح مثال ارتقاء کا نظریہ ہے، جس نے موجودہ زمانہ میں ملحدانہ فکر پیدا کرنے میں سب سے زیادہ اہم رول ادا کیا ہے۔

زمینی طبقات کے مطالعہ کے دوران انسان کے علم میں یہ بات آئی کہ قدیم زمانہ کے حیوانات کے ڈھانچے مخصوص کیمیائی عمل کے نتیجہ میں پتھر کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ زمین کی کھدائی سے اس قسم کے بہت سے متحجر نمونے جمع کئے گئے۔ ان پر ریڈیو ایکٹیو ڈیٹنگ کا طریقہ استعمال کیا گیا تو تقریباً صحت کے ساتھ ان کی تاریخیں معلوم ہو گئیں۔ یہ تحقیقات سو سال سے بھی زیادہ لمبے عرصے تک جاری رہیں۔ یہاں تک کہ انسان اس پوزیشن میں ہو گیا کہ مختلف انواع حیات کے درمیان زمانہ کے اعتبار سے ترتیب قائم کر سکے۔

اس تاریخی ترتیب سے معلوم ہوا کہ وہ تمام مختلف انواع حیات جو آج زمین پر بظاہر بیک وقت نظر آرہی ہیں وہ سب زمین پر بیک وقت موجود نہیں ہو گئیں، بلکہ زمین پر ان کے ظہور میں ایک تاریخی ترتیب ہے، وہ یہ کہ سادہ انواع حیات سب سے پہلے ظہور میں آئیں۔ اس کے بعد تدریج زیادہ پیچیدہ انواع حیات ظہور میں آتی رہیں۔ یہاں تک کہ بالآخر انسان ظاہر ہو گیا۔ اس طرح واحد الخلیہ جاندار (Single cellular animal) زمین پر پہلے وجود میں آئے۔

اور انسان اس حیاتیاتی ترتیب کے سب سے آخر میں ظاہر ہوا۔

نظریہ ارتقاء کی عمارت جن مشاہدات پر قائم کی گئی ہے ان میں سب سے اہم مشاہدہ یہی ہے۔ نظریہ ارتقاء کے حامیوں کا کہنا ہے کہ یہ ترتیب بتاتی ہے کہ زندگی کی مختلف قسمیں ارتقائی عمل کے ذریعہ ظہور میں آئیں، یعنی زندگی کا ہر اگلا فارم اپنے پچھلے فارم سے نکلتا رہا۔ یہ ترقی ہر اگلی نسل میں جمع ہوتی رہی یہاں تک کہ اس کے آخری مجموعہ نے وہ اعلیٰ صورت اختیار کر لی جس کو انسان کہا جاتا ہے۔

مگر یہ سراسر غلط تعبیر کا نتیجہ ہے نہ کہ کسی حقیقی استدلال کا نتیجہ۔ خالص علمی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو جو بات مشاہدہ میں آتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ زمین پر انواع حیات کی موجودگی میں ایک زمانی ترتیب پائی جاتی ہے نہ یہ کہ انواع حیات ایک دوسرے کے بطن سے بطریق تناسل پیدا ہوتی چلی گئی ہیں۔

اصل مشاہدہ صرف تخلیق کی زمانی ترتیب کو بتا رہا تھا مگر غلط تعبیر کے ذریعہ اس کو زندگی کے ارتقائی ظہور کے ہم معنی بنا دیا گیا۔ ارتقاء کے مشاہدات خالق (Creator) کی تردید نہیں کرتے، جیسا کہ خود چارلس ڈارون نے اپنی کتاب "اصل الانواع" میں تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اگر یہ مشاہدات درست ہوں، تو وہ خالق کے تخلیقی عمل کی ترتیب کو بتاتے ہیں۔

یہ مختصر جائزہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ موجودہ زمانہ میں اسلام کے احیاء کی راہ کا پہلا بنیادی کام اسلام کا فکری غلبہ ہے۔ مزید یہ کہ یہ فکری غلبہ بظاہر دشوار ہونے کے باوجود انتہائی آسان ہے۔ اسلام کی پچھلی تاریخ میں اس سے ملتی جلتی مثالیں اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے لوگ اسلام کے نہایت سخت دشمن کے روپ میں ظاہر ہوئے مگر صرف ربع صدی کی دعوتی جدوجہد نے بتایا کہ اس طاقت ور دشمن کے اندر طاقتور مددگار کی شخصیت چھپی ہوئی تھی۔ اسی طرح ساتویں صدی ہجری میں تاتاری قبائل اسلام کے خلاف ناقابل تسخیر قوت بن کر ابھرے۔ مگر ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں معلوم ہوا کہ یہ طاقت ور تلوار صرف اس لئے ظاہر ہوئی تھی کہ بالآخر وہ اسلام کی طاقت ور خادم اور محافظ بن جائے۔

یہی موجودہ زمانہ کے "اسلام دشمن" علوم کا معاملہ ہے۔

ان علوم نے بظاہر آج اسلام کو مغلوب کر رکھا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنی کوششوں کو صحیح رخ سے جاری رکھیں تو نصف صدی بھی نہیں گذرے گی کہ یہ سارا علم اسلام قبول کر لے گا، وہ اسلام کے علم کلام کی صورت اختیار کر لے گا اور پھر دنیا دیکھے گی کہ جدید علمی قوت صرف اس لئے ظاہر ہوئی تھی کہ وہ

خدا کے دین کی طاقت ور مددگار بن جائے۔

اسلام کے حق میں اس نتیجہ کو حاصل کرنے کی صرف ایک ہی ضروری شرط ہے۔ وہ یہ کہ ہم دوسرے میدانوں میں اپنی جو قوت ضائع کر رہے ہیں اس کو سمیٹ کر اسی ایک میدان، فکری انقلاب لانے کے میدان میں لگا دیں۔ جس دن یہ واقعہ ہوگا اسی دن اسلام کی نئی تاریخ بننا شروع ہو جائے گی۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ صحیح آغاز ہی دراصل صحیح اختتام کا دوسرا نام ہے۔

نوٹ : یہ مقالہ (انگریزی زبان میں) کوالالمپور کے انٹرنیشنل سمینار جولائی ۱۹۸۴ میں پیش کیا گیا۔

تحقیق حال

مولانا عبد الماجد دریا بادی نے جولائی ۱۹۶۵ کا ایک تجربہ ان الفاظ میں لکھا تھا ـــــ " ایک دن دوپہر کی گاڑی سے کلیفورنیا یونی ورسٹی کے ایک استاد بے شان وگمان دریا باد پہنچے۔ اور دو ڈھائی گھنٹے کے سوال وجواب کے بعد واپسی کی ٹرین سے واپس ہو گئے امریکہ کے صاف وشفاف بلوری سڑکوں کا عادی ہمارے قصبات کی ادھ کچی ادھ پکی کھانچوں اور گڑھوں سے بھری ہوئی سڑکوں کا تصور بھی نہ کرسکتا ہوگا۔ اور پھر موٹر نشیں امریکی کے ذہن میں کھڑکھڑے چرخ چوں ایکوں کی تصویریں بھی کیوں آنے لگیں تھیں۔ اور یہ تجربہ بالکل انوکھا نہیں۔ ایک اور امریکی پروفیسر خاک پھانکنے آج سے چند سال قبل بھی آچکے تھے۔ ایسے اعجوبہ سفر سے بڑھ کر اعجوبہ سفر بھی غرض وغایت نکلا۔ موضوع مطالعہ وتحقیق ہندستان میں تحریک خلافت کی تاریخ (تقریباً ۱۹۱۹ - ۱۹۲۹) اسی ایک کام کے لئے امریکہ سے ہندستان، پاکستان کا سفر۔ اور مدراس، بنگلور، دہلی، حیدرآباد، کلکتہ، لکھنو، لاہور، کراچی وغیرہ کے علاوہ دریا باد تک کی پرمشقت مسافت۔ اور عین اسی زمانہ میں ایک دوسرے امریکی ریسرچ اسکالر اپنا موضوع لئے ہوئے ہندستانی مسلمانوں کی سیاسی تحریکات (۱۹۰۰ سے لیکر ۱۹۲۰ تک) ہندستان کی خاک چھان رہے ہیں۔ اور دریا باد آنے پر ہر وقت آمادہ۔ لکھنو میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ حقیر ذخیرۂ معلومات (کامریڈ وغیرہ کی جلدوں) سے کام لے رہے ہیں (صدق جدید ۱۲ اگست ۱۹۶۵)

یہ اس قسم کی بے شمار مثالوں میں سے ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغربی قومیں کس طرح ہر قسم کے احوال سے اپنے کو باخبر رکھتی ہیں۔ تاکہ ان کی پلاننگ صحیح ہو۔ قدیم زمانہ میں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد سارے یورپ میں نئے قسم کے اہل علم جاگ اٹھے جن کو مستشرق کہا جاتا ہے۔ انھوں نے مشرقی اقوام (بشمول مسلمان) کی اتنی کامل تحقیق کی کہ ان کے بارے میں خود مشرقی اقوام سے زیادہ واقف اور باخبر ہوگئے۔ اس واقفیت سے انھوں نے زبردست فائدہ اٹھایا جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

صلیبی جنگوں جیسا واقعہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ برعکس صورت میں پیش آیا۔ مگر موجودہ پورے دور میں مسلمانوں میں کوئی بھی مثال نہیں ملتی جب کہ مسلم اہل علم نے مغربی اقوام کی برتری کا راز سمجھنے کے لئے حقیقی معنوں میں کوئی سنجیدہ کوشش کی ہو۔

چپ رہنا چاہئے

غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ مگر ساری مسلم دنیا میں کوئی ایک بھی خالص دعوتی انداز کا انگریزی جریدہ نہیں۔ انگریزی الرسالہ مسلم دنیا کا واحد ماہنامہ ہے جو خالص دعوتی اور تعمیری انداز میں نکالا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی الرسالہ پوری امت کی طرف سے ایک فرض کفایہ کی ادائگی ہے۔ وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ آج کا ہر مسلمان اس کو اپنی کھوئی ہوئی متاع سمجھے اور اس کو غیر مسلم حضرات نیز انگریزی داں مسلمانوں تک پہنچا کر اپنی دعوتی ذمہ داری کو پورا کرے۔

مگر کچھ لوگ انتہائی نادانی کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں کہ وہ اردو داں لوگوں میں یہ خیال پھیلا رہے ہیں کہ انگریزی الرسالہ میں زبان کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ تاکہ اردو داں طبقہ اس کے معیار کے بارہ میں مشتبہ ہو جائے اور وہ اس کو انگریزی داں طبقہ تک پہنچانے میں زیادہ پرجوش نہ رہے۔

جن صاحبان کے بارہ میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایسا کہہ رہے ہیں، ہم نے فوراً ان سے تحریری یا زبانی درخواست کی کہ وہ متعین مثال کے ذریعہ بتائیں کہ انھوں نے انگریزی الرسالہ میں کون سی ادبی یا لسانی غلطی پائی ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی اب تک تعین کے ساتھ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی۔ اور اگر کسی نے پیش کی تو وہ ایسی مثال تھی کہ ہم کو جواب میں اسے پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد سنانا پڑا کہ ــــــ من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت (جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ کہے تو بھلی بات کہے ورنہ چپ رہے)

۴ ستمبر ۱۹۸۴ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب ہمارے دفتر میں آئے۔ وہ انگریزی تعلیم یافتہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے الرسالہ کا جو انگریزی اڈیشن نکالا ہے اس میں زبان کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں نے اسی وقت انگریزی الرسالہ کے تمام پرچے نکالے اور انھیں ان کے سامنے رکھ دیا۔ میں نے کہا کہ انگریزی الرسالہ کے اب تک آٹھ شمارے نکل چکے ہیں۔ اور یہ سب کے سب آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ان کے سوا اس کا اور کوئی شمارہ نہیں آپ ان کو دیکھ کر متعین طور پر بتائیں کہ ان میں کہاں کہاں زبان کی غلطی پائی جاتی ہے۔

انھوں نے پرچوں کو لیا اور تقریباً ایک گھنٹہ تک ان کے مضامین پڑھتے رہے۔ ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی غلطی کی نشاندہی سے اپنے آپ کو عاجز پا رہے ہیں۔ آخر میں انھوں نے جولائی ۱۹۸۴ کا صفحہ ۱۳ میرے سامنے کھولا جس پر ایک مضمون حسب ذیل عنوان سے شائع ہوا ہے:

Sowing today, reaping tomorrow

یہ اس اردو مضمون کا ترجمہ ہے جو الرسالہ (جنوری ۱۹۸۴) میں صفحہ ۲۱ پر شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں ایک جملہ ان الفاظ میں تھا:

"تاہم نوجوان برلا اس بنچ پر نہیں بیٹھے اور کام ہونے تک برابر کھڑے رہے۔"

الرسالہ انگریزی کے مذکورہ مضمون میں اس جملہ کے آخری حصہ کا ترجمہ حسب ذیل الفاظ میں چھپا ہے:

He stayed standing until his work was finished.

مذکورہ بزرگ نے فرمایا کہ اس جملہ میں Stay کے بجائے Remain اور Finish کی جگہ Complete کا لفظ استعمال ہونا چاہئے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ جملہ کو اپنے خیال کے مطابق درست کر کے لکھئے۔ انھوں نے اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے:

He remained standing until his work was completed

ہر انگریزی داں جانتا ہے کہ یہ کوئی غلطی نہیں۔ یہ ایک لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا ہم معنی لفظ رکھ دینا ہے۔

کسی کے خلاف بولنے کے لئے اگر آپ کے پاس مذکورہ بالا قسم کی بات کے سوا کچھ اور نہ ہو تو آپ کو چاہئے کہ چپ رہیں، نہ یہ کہ غیر ضروری طور پر بولنے لگیں۔

مشن میں شرکت

اگر آپ الرسالہ کے پیغام سے متفق ہیں اور پھر بھی آپ نے ابھی تک الرسالہ کی ایجنسی نہیں لی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ——— آپ نے اس مشن میں اپنے آپ کو شامل نہیں کیا۔ جو شخص بھی الرسالہ کے مشن سے اتفاق رکھتا ہو اس کے اتفاق کا کم سے کم تقاضا ہے کہ وہ الرسالہ کی ایجنسی لے۔

ایک سفر

۲۸ر اپریل ۱۹۸۴ کی شام کو میں ایک پروگرام کے تحت دہلی سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا۔ یہ سفر لکھنو میل کے ذریعہ ہوا۔ اسٹیشن پر پہنچا تو عام ڈبے اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ مسافروں کے لئے کھڑا ہونا بھی مشکل تھا۔ مگر فرسٹ کلاس کیبن کی چار برتھ پر ہم صرف چار آدمی تھے۔ ہر آدمی کے لئے موقع تھا کہ جس طرح چاہے بیٹھے اور جس طرح چاہے سوئے۔ میں نے سوچا کہ زندگی کا معاملہ تعصب اور امتیاز کا معاملہ نہیں بلکہ قیمت کا معاملہ ہے۔ ٹرین میں عام ڈبے بھی ہیں اور فرسٹ کلاس کے ڈبے بھی۔ جو شخص جتنی قیمت ادا کرتا ہے اسی کے اعتبار سے ٹرین اس کو اپنے اندر جگہ دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو زحمت میں پا رہا ہے تو شکایت اور احتجاج میں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کو چاہئے کہ وہ اچھے ڈبہ کی قیمت ادا کرے اور ٹرین اس کے لئے اپنے بہترین ڈبہ کے دروازے کھول دے گی، خواہ وہ میرے جیسا مولوی ہو یا میرے بقیہ تین ساتھیوں کی طرح مسٹر۔

۲۹ اپریل کی صبح کو ۱۰ بجے لکھنؤ میں یہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ قارئین الرسالہ کا ایک اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع بٹلر پیلس کالونی میں جناب یمین الاسلام خاں صاحب کی رہائش گاہ پر تھا۔ لوگوں نے عام طور پر الرسالہ کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ کسی نے کوئی تنقید نہیں کی۔

ایک صاحب نے کہا کہ الرسالہ کا یہ انداز ہم لوگوں کو بہت پسند ہے کہ اس میں چھوٹے چھوٹے مضامین ہوتے ہیں۔ کسی کے پاس کم وقت ہو تو وہ بھی چند منٹ میں اس کا ایک صفحہ پڑھ سکتا ہے اور اس سے کوئی سبق لے سکتا ہے۔

میں نے کہا کہ یہ طریقہ عین قرآنی طریقہ ہے۔ قرآن میں رکوع کی تقسیم اسی طرح کی گئی ہے۔ قرآن کے ہر رکوع میں ایک بات ہوتی ہے۔ آپ ایک رکوع پڑھ لیجئے اور آپ کو ایک بات مل جائے گی۔ یہی قرآنی انداز الرسالہ میں صفحہ صفحہ کے مضامین کی صورت میں اختیار کیا گیا ہے۔ الرسالہ سے کوئی بات لینے کے لئے آپ کو لمبا مقالہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ الرسالہ کا ہر صفحہ گویا ایک رکوع ہے۔ آپ اس کا ایک صفحہ پڑھ لیجئے اور آپ اپنے لئے سبق کی ایک بات پا جائیں گے۔

ایک صاحب نے ایران کے خمینی انقلاب کے بارہ میں راقم الحروف کی رائے پوچھی۔ میں نے کہا کہ اس طرح کے واقعات کو بتانے کے لئے اردو میں چونکہ صرف ایک لفظ (انقلاب) ہے اس لئے عام طور پر لوگ اس کو انقلاب کہہ دیتے ہیں۔ مگر یہ مغالطہ ہے۔ انگریزی میں اس کو واضح کرنا زیادہ آسان ہے۔

کیوں کہ انگریزی زبان میں اس طرح کے واقعات کے لئے دو الگ الگ لفظ ہیں۔ ایک کوپ Coup اور دوسرا ریولیوشن (Revolution) میرے نزدیک ایران میں جو ہوا وہ ریولیوشن نہیں بلکہ کوپ تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام کوپ فوج کے ذریعہ ہوتا ہے اور ایران میں یہ کوپ، مخصوص اسباب کے تحت، مذہبی طبقہ (کلرجی) کے ذریعہ پیش آیا۔ اب اگر آپ کوپ سے ریولیوشن کے نتیجہ کی امید کریں تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے طفلانہ اچھل کود سے گہری منصوبہ بندی والے نتیجہ کی امید کرلی جائے۔

دوسری بات یہ کہ تحریکیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو خارجی تبدیلی کو نشانہ بنا کر اٹھتی ہیں اور دوسری وہ جو داخلی تبدیلی کو نشانہ بنا کر اٹھیں۔ غیر پیغمبرانہ تحریکیں اول الذکر انداز پر اٹھتی ہیں اور پیغمبرانہ تحریک ثانی الذکر انداز پر۔ میرے نزدیک موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی تمام انقلابی تحریکیں (بشمول خمینی تحریک) پہلے انداز پر اٹھائی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سراسر بے نتیجہ رہیں۔ آئندہ بھی جب تک ہم پیغمبرانہ انداز پر کام نہیں کریں گے ہماری کوششیں اسی طرح حبط اعمال کا مصداق بنتی رہیں گی۔ کسی "شاہ" یا کسی "بھٹو" یا کسی "ناصر" کو ہلاک کرنے سے انقلاب نہیں آتا۔ انقلاب اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے آتا ہے اور یہی وہ انقلاب ہے جس کے لئے اصاغر و اکابر میں سے کوئی بھی تیار نہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ میں شروع سے الرسالہ پڑھ رہا ہوں۔ میں اس سے پوری طرح متفق ہوں اب بتائیے کہ میں اس سے آگے کیا کروں۔ میں نے کہا کہ الرسالہ ایک مشن ہے۔ یہ مشن آدمی سے اس کی پوری زندگی اور اس کا سب کچھ مانگتا ہے۔ تاہم اس مشن میں اپنے کو شامل کرنے کی کم سے کم صورت یہ ہے کہ الرسالہ کی ایجنسی لی جائے۔ آپ الرسالہ کی ایجنسی لے کر اسے پھیلائیں۔

پھر میں نے کہا کہ ایجنسی کا طریقہ عین سنت کا طریقہ ہے۔ قرآن کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ وہ دفعتاً ایک کتاب کی صورت میں نہیں اترا بلکہ بار بار اترتا رہا۔ گویا کہ قرآن ایک قسم کا پیریڈکل (Periodical) تھا جو ۲۳ سال کے دوران وقفہ وقفہ سے نازل ہوتا رہا۔

سیرت کی کتابوں میں تبلیغ کے واقعات آتے ہیں تو اکثر اس طرح کے الفاظ ہوتے ہیں: فعرض علیہم الاسلام وتلا علیہم القرآن (ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا) اس زمانہ میں عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ قرآن کا جو حصہ اترتا اس کو لوگ لکھ لیتے یا یاد کر لیتے اور پھر اس حصہ کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے۔ آجکل کی زبان میں کہنا ہو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن ایک آسمانی پیریڈیکل تھا اور ہر صحابی اس پیریڈیکل کی ایجنسی لئے ہوئے تھا۔ "ایجنسی" دراصل اسی قدیم طریقہ کا جدید نام ہے۔ اور ہم نے موجودہ

زمانہ کے اعتبار سے اسی کو ماہنامہ الرسالہ کے لئے اختیار کیا ہے۔

اجتماع میں کچھ خواتین بھی شریک تھیں۔ یہ وہی خواتین تھیں جو الرسالہ کو برابر پڑھتی ہیں۔ ان کی طرف سے یہ بات کہی گئی کہ الرسالہ میں خواتین کے لئے کچھ مخصوص صفحات ہونے چاہئیں۔ میں نے کہا کہ کسی صفحہ پر "صفحۂ خواتین" کا لفظ لکھا جا سکتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں کا اسلام اور ہے اور عورتوں کا اسلام اور۔ یہ مسئلہ حقیقی سے زیادہ نفسیاتی ہے۔ چند خاص ضمنی مسائل میں عورت اور مرد کے درمیان فرق ہے۔ ورنہ دین کا جو اصل مطالبہ ہے اس میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جو چیزیں مردوں پر فرض ہیں وہی عورتوں پر بھی فرض ہیں۔ جو چیزیں مردوں کے لئے حرام ہیں وہی عورتوں کے لئے بھی حرام ہیں۔

قرآن میں کہا گیا ہے کہ ــــــ فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض۔ اس آیت کو اس کے سیاق میں رکھ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی "عمل" ہے جو دونوں صنفوں سے مطلوب ہے۔

کچھ لوگ اسلام کو ایک قسم کا تبرک سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کچھ خاص طرح کے پر اسرار عملیات ہیں۔ ان کو ان کے خارجی آداب کے ساتھ دہرا لو تو جنت مل جائے گی۔ کچھ اور لوگ ہیں جن کے نزدیک اسلام گویا لیڈری کا عنوان ہے۔ انھوں نے عوامی اشوز پر ہنگامہ کرنے کو اسلام سمجھ رکھا ہے۔ مگر یہ تمام چیزیں اسلام کی تصغیر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے آپ کو ربانی انسان میں ڈھالنے کا دوسرا نام ہے۔ ہر آدمی کسی نہ کسی چیز میں جیتا ہے۔ اسلام یہ ہے کہ آدمی خدا میں جینے لگے۔

دنیا میں زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نفس اور شیطان کی باتیں آدمی کی غذا ہوں۔ دوسرے یہ کہ خدا کی باتیں آدمی کی غذا بن جائیں۔

ایک انسان وہ ہے کہ کائنات کو دیکھے تو وہ اس کی عظمتوں میں گم ہو جائے۔ یہ وہ انسان ہے جس نے غیر خدا کو اپنی غذا بنایا۔ دوسرا انسان وہ ہے جو کائنات کو دیکھ کر اس کے خالق کو یاد کرنے لگے۔ وہ کائنات کی عظمتوں میں اس کے خالق کی عظمت کو پالے۔ یہ وہ انسان ہے جو خدا میں جیا۔ جس نے خدا کی یاد کو اپنی غذا بنایا۔

ایک انسان وہ ہے جس کو کامیابی والے حالات ملے تو اس کے اندر کبر کی نفسیات جاگ اٹھیں اور اگر وہ ناکامی کے حالات سے دوچار ہوا تو احساس کمتری میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔ یہ وہ انسان ہے جو حالات میں جی رہا ہے۔ اس نے حالات کو اپنا سب کچھ بنا رکھا ہے۔ دوسرا انسان وہ ہے کہ اس کو

کامیابی ملی تو اس کو خدا کا انعام سمجھ کر اور متواضع ہوگیا اور اگر ناکامی کے حالات سے سابقہ پیش آیا تو اس کو خدا کی طرف سے تنبیہہ سمجھ کر اپنے احتساب میں مشغول ہوگیا۔ یہ انسان وہ ہے جو خدا میں جیتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

اسی طرح انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے طرح طرح کے معاملات پیش آتے ہیں۔ آدمی کے دل کو طرح طرح کے جھٹکے لگتے ہیں۔ اب ایک انسان وہ ہے جو ایسے مواقع پر ردعمل کی نفسیات کے تحت معاملہ کرے۔ وہ صرف اپنے نفع کو سامنے رکھے نہ کہ حق اور انصاف کو۔ جس کو اپنے سے بڑھتا ہوا دیکھے اس سے حسد کرنے لگے۔ کوئی دنیوی اعتبار سے اس سے کم ہو تو اس کو حقیر سمجھ لے۔ کسی سے شکایت ہو تو اس کے خلاف نفرت اور انتقام سے اس کا سینہ بھر جائے۔ یہ وہ انسان ہے جو اپنے نفس میں جینے والا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا انسان وہ ہے جو ردعمل سے اوپر اٹھ کر جئے۔ جو معاملات میں ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کے حکم کا پابند بنائے رہے۔ اس کا سینہ حسد اور نفرت اور انتقام سے پاک ہو۔ وہ جذبات کے ہر طوفان کو خدا کی طرف موڑ دے نہ کہ انسانوں کی طرف۔ یہ دوسرا انسان وہ ہے جو خدا میں جینے والا ہے۔ اور اسی دوسرے انسان کو وجود میں لانا اسلام کا اصل مقصود ہے۔

لکھنؤ کے اجتماع میں ابتداءً سوالات اور جوابات ہوئے۔ اس کے بعد میں نے مختصر خطاب میں بتایا کہ الرسالہ کی تحریک کا خاص نشانہ دو ہے۔ ایک زندہ عقیدہ پیدا کرنا۔ دوسرے، تعمیری انداز فکر۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے خطاب میں ان باتوں کی تفصیل بیان کی۔

لکھنؤ سے مجھ کو گونڈہ جانا تھا۔ لکھنؤ سے کرنل گنج تک ہم نے کار کے ذریعہ سفر کیا۔ یہاں سے دوبارہ ہم کو ٹرین پکڑنی تھی۔ مگر اسٹیشن پہنچنے میں چند منٹ کی دیر ہوگئی۔ ہم پلیٹ فارم میں داخل ہوئے تو ٹرین چل چکی تھی۔ میرے ساتھی جناب یمین الاسلام خان صاحب دوڑ کر چڑھ گئے۔ مگر میں اپنی کمزوری کی وجہ سے چلتی ٹرین میں چڑھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ چنانچہ وہ بھی اتر آئے ــــــ میں نے سوچا کہ زندگی کی گاڑی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ کبھی یہ گاڑی اپنے مقام پر کھڑی ہوئی ملتی ہے کہ آپ آسانی سے اس پر سوار ہو جائیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چلتی ہوئی گاڑی میں کود کر آپ کو چڑھنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ زندگی کی گاڑی اس کو ہمیشہ کھڑی ہوئی ملے تو موجودہ عالم اسباب میں اس کی اس خواہش کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ یہ دنیا سہل پسندی کا قبرستان نہیں بلکہ عالی ہمتی کی امتحان گاہ ہے۔ یہاں کامیابی صرف ان لوگوں کے لئے مقدر ہے جو عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیں۔

اب ہم نے ٹیکسی کی تلاش کی۔ مگر کوئی ٹیکسی نہیں ملی۔ دوسرا واحد بدل بس تھا۔ چنانچہ ہم نے کرنل گنج سے گونڈہ تک پچاس کلومیٹر کا سفر بس کے ذریعہ طے کیا۔ بس میں اگرچہ اتنے ہی آدمی تھے جتنی سیٹ تھی۔ تاہم یہ لوگ طرح طرح کے عوامی طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی دلچسپ باتیں سننے کو ملیں۔ بس عام انسانوں کے سفر کی سواری ہے۔ بس میں ملک کے عام انسان سے ملاقات ہوتی ہے۔ جو شخص صرف "فرسٹ کلاس" یا "ہوائی جہاز" سے سفر کرے اور کبھی اس سے نیچے نہ اترے وہ عام انسانوں سے باخبر نہیں ہو سکتا۔

مسافروں میں سے کوئی اکیلا تھا جو اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی دو یا تین تھے جن کا کوئی ساتھی پانی پینے کے لئے باہر چلا گیا تھا۔ پہلی قسم کے مسافر ٹکٹ لے چکے تو انھوں نے کنڈکٹر سے کہنا شروع کیا کہ جلدی چلو، جلدی چلو۔ دوسری قسم کے مسافر چیخنے لگے "روک کر، روک کر" آجکل کی دنیا میں ہر آدمی صرف اپنی غرض کو جانتا ہے۔ کوئی "گاڑی" کو چلانے کا نعرہ لگا رہا ہے اور کوئی اس کو روکنے کا۔ یہ دونوں نعرے بظاہر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ جس کو جو نعرہ سودمند دکھائی دے رہا ہے اس کو اس نے اختیار کر لیا ہے۔ خواہ وہ ایک قسم کا نعرہ ہو یا دوسرے قسم کا۔

گونڈہ میں میری قیام گاہ سے ملی ہوئی سڑک پر ایک روز چند نوجوان جا رہے تھے۔ وہ آپس میں جوش کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ ایک نوجوان کی آواز کان میں آئی:

"میری تو یہی عادت ہے۔ میں کسی کا کہا نہیں مان سکتا۔ بالکل نہیں"

یہ بات جو نوجوان نے کہی یہی موجودہ زمانہ کا عام مزاج ہے۔ آج کوئی شخص کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہر آدمی اپنی رائے کا بادشاہ بنا ہوا ہے۔ ہر آدمی بے تکان اپنی رائے کی حمایت میں تقریر کر رہا ہے۔ کسی سے بات کیجئے تو فوراً محسوس ہوگا کہ اس کو صرف اپنی بات سنانا ہے، آپ کی بات سننے کی اسے ضرورت نہیں۔

ایک حدیث میں قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ان الفاظ میں بتائی گئی ہے: اور ہر رائے والے کا صرف اپنی رائے کو پسند کرنا (واعجاب کل ذی رایٔ برأیہ) آجکل کے لوگوں کا حال دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہی زمانہ آگیا ہے۔ آج کے دور کے مزاج کو اگر ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ یہی ہوگا کہ ——— ہر آدمی کا صرف اپنی رائے کو رائے سمجھنا۔ یہی آج ہر ایک کا مزاج بن چکا ہے۔ خواہ وہ جاہل ہو یا عالم۔ امیر ہو یا غریب، مذہبی ہو یا غیر مذہبی۔ حتیٰ کہ اصلاح کا

علم بردار ہو یا فساد کا علم بردار۔

لوگوں کا یہ مزاج اب اتنا بڑھ چکا ہے کہ اپنے سے باہر کوئی سچائی کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ حالانکہ سچائی کا انکار کسی انسان کا انکار نہیں بلکہ خود خدا کا انکار ہے۔ ہر بات کا ایک انسانی رخ ہوتا ہے اور ایک اس کا خدائی رخ۔ انسانی رخ یہ ہے کہ وہ ایک انسان کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ اور خدائی رخ یہ ہے کہ وہ حق ہے، وہ خدا کی مطلوب بات ہے ——— غیر مومن کسی بات کے صرف انسانی رخ کو دیکھتا ہے اور اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ مومن وہ ہے جو بات کے خدائی رخ کو دیکھ لے اور اس کے آگے ڈھ پڑے۔

اس خود دائی کی نہایت زبردست قیمت آج کا ہر انسان ادا کر رہا ہے۔ وہ یہ کہ وہ دوسروں کے تجربے سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا۔ ہر آدمی زندگی کا تجربہ خود کرتا ہے۔ جب وہ اپنی نصف زندگی تجربہ میں گزار چکتا ہے اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ کرنا کیا چاہئے تھا۔ اور میں کیا کرتا رہا۔ مگر اب وہ زندگی کے مقابلہ میں موت سے زیادہ قریب ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کا اس کے سوا کچھ انجام نہیں ہوتا کہ وہ حسرت کے ساتھ ایک ایسی دنیا سے چلا جائے جہاں دوبارہ آنا اس کے لیے مقدر نہیں۔ جانور اپنی ذاتی جبلت کے تحت عمل کرتے ہیں۔ انسان کو دوسروں کی نصیحت پر عمل کرنا ہے۔ آدمی جب نصیحت کا لحاظ کرنا چھوڑ دے تو وہ بدتر از حیوان کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ جس کو قرآن میں اسفل سافلین کہا گیا ہے۔

گونڈہ میں اسی ماہ اپریل ۱۹۸۴ کا ایک واقعہ میرے علم میں آیا۔ ایک نوجوان اپنے ساتھی کو لے کر ایک بڑے تاجر کے یہاں پہنچا اور پچاس ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا۔ تاجر نے عذر کیا۔ اتنے میں اس کا منشی آگیا جس کے ہاتھ میں بیگ تھا۔ نوجوان نے سمجھا کہ اس میں روپئے بھرے ہوئے ہیں۔ اس نے فوراً بندوق اٹھائی اور منشی کے سینہ میں گولی پیوست کر دی۔ وہ وہیں مر گیا۔ اس کے بعد نوجوان نے بیگ کھولا تو اس کے اندر صرف کاغذات تھے۔

پولس نے اگلے دن نوجوانوں کو پکڑ لیا۔ یہ لوگ وہ تھے جو اس سے پہلے بہت سے کیس کر چکے تھے۔ اور پولس پہلے سے ان کے بارہ میں بھری بیٹھی تھی۔ چنانچہ پولس نے ان کی پٹائی شروع کی۔ کہنے والوں نے بتایا کہ اینٹ سے مار مار کر ان کے دونوں پاؤں توڑ ڈالے۔

جو لوگ اس طرح کا کام کرتے ہیں وہ نہایت بہادر لوگ ہوتے ہیں۔ مگر وہ اپنی بہادری کو داداگیری میں استعمال کرتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ وہ یا تو جیل میں پڑے پڑے مرجائیں گے یا برسہا برس کے بعد اس حال میں نکلیں گے کہ وہ جسمانی اعتبار سے بالکل ناکارہ ہو چکے

ہوں گے اور دنیا میں کوئی کام کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔

یہ سب اسی خود رائی کی قیمت ہے۔ آجکل کے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ وہ جس رخ پر چل پڑتے ہیں بس اسی رخ پر بڑھتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی مشورہ ان کی سمجھ میں آتا اور نہ کوئی نصیحت انھیں روکنے والی ثابت ہوتی یہاں تک کہ دوسروں کو گولی کا نشانہ بنانے والا خود گولی کا نشانہ بن جاتا ہے یا جیل کی سزاؤں سے از کار رفتہ ہوکر اس قابل نہیں رہتا کہ کوئی کام کرسکے۔

اس معاملہ میں بڑوں کی غلطی بھی کچھ کم نہیں۔ آجکل لوگوں کا حال یہ ہے کہ انھیں کسی کے بھلے برے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی نہ کسی کا خیرخواہ ہے اور نہ کوئی کسی کے کام آنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ آپ کو ایسے لوگ بہت ملیں گے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر عالمی انقلاب کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں۔ مگر اپنے ماحول اور اپنی بستی کے کسی فرد کو منکر سے بچانا اور معروف پر لانا ان کی فہرست انقلاب سے خارج ہے۔ امر بالعروف اور نہی عن المنکر اصلاً ایک انفرادی عمل ہے مگر جھوٹے مجاہدین کے ہاتھ میں وہ ایک بے معنی سیاسی نعرہ بن کر رہ گیا ہے۔

جہاں تک والدین کا تعلق ہے ان کا معاملہ بھی عملاً اس سے مختلف نہیں۔ فرق یہ ہے کہ دوسرے لوگ جو کچھ بے تعلقی کی بنا پر کر رہے ہیں وہی والدین تعلق کی بنا پر کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہر باپ اپنی اولاد کے حق میں بیوقوف ہوتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کے بارہ میں وہ بہت ہوشیار نظر آتا ہے۔

ایک صاحب نے مذکورہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس قسم کی دا داگیری آجکل کون نہیں کرتا۔ مگر یہ لڑکے چونکہ اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے پولس نے ان کے اوپر اتنا زیادہ ظلم کیا۔

میں نے کہا کہ بالفرض اگر یہ واقعہ ہو کہ اکثریتی فرقہ کا نوجوان اس قسم کے واقعات پر پولس کی مار نہ کھاتا ہو اور اقلیتی فرقہ کا نوجوان انھیں واقعات پر پولس کی مار کھاتا ہو تب بھی سوچنے کا یہ طریقہ سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ مسئلہ اپنے آپ کو بچانے کا ہے نہ کہ دوسروں کو ملزم ٹھہرانے کا۔

یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ پولس صرف فلاں لوگوں کو کیوں مارتی ہے فلاں کو کیوں نہیں مارتی۔ اس کے بجائے حقیقت پسندانہ نقطہ نظر یہ ہے کہ اس فعل سے بچا جائے جو پولس کو یہ موقع دیتے ہیں کہ وہ آپ کو اپنے عتاب کا نشانہ بنائیں۔ ایسے لوگوں کو پولس کی زد میں آنے سے اپنے کو بچانا ہے نہ کہ پولس کی شکایت کے لئے ڈکشنری میں الفاظ تلاش کرنا۔

ایک صاحب نے بڑے جوش کے ساتھ کہا "اصلاحی وعظ سے کوئی فائدہ نہیں۔ اصل ضرورت انقلاب کی ہے"۔ میں نے کہا کہ میں بھی انقلاب کا حامی ہوں۔ فرق یہ ہے کہ آپ لوگ دوسروں کے خلاف انقلاب کا جھنڈا اٹھاتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ خود اپنے اندر انقلاب پیدا کرو۔

میں ایک بار ایک صاحب کے مکان پر تھا۔ پڑوس کا بچہ پتنگ اڑانے کے شوق میں ان کی چھت پر آگیا۔ انھوں نے جب اس کو پتنگ اڑاتے دیکھا تو اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا اپنا لڑکا باہر سے آیا۔ اس نے کمرہ کے اندر سے ایک پتنگ نکالی اور چھت پر آکر اڑانے لگا۔ وہی صاحب مکان جو دوسرے کے لڑکے کی پتنگ بازی پر غصہ ہو رہے تھے وہ اپنے لڑکے کی پتنگ کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

یہی حال آجکل ہر آدمی کا ہے خواہ وہ اصاغر میں سے ہو یا اکابر میں سے۔ شہر میں ایک بار میں نے عید گاہ میں عید کی نماز پڑھی۔ عید گاہ سے نکلا تو ایک قائد اسلام سے ملاقات ہوگئی۔ میں اخلاقاً ان کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ایک قبرستان میں پہنچ گئے۔ پھر وہ اس کے اندر چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک اونچی پختہ قبر پر کھڑے ہو گئے۔ فاتحہ پڑھ کر جب ہم لوگ واپس ہوئے تو انھوں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ یہ میری اہلیہ کی قبر ہے۔ جس زمانہ میں ان کا انتقال ہوا اس وقت میں ملک سے باہر تھا۔ بچوں نے قبر کو پختہ کرا دیا۔

یہ وہ قائد تھے جن کے نزدیک نجات کا دارومدار اس پر ہے کہ فاسد نظام کو اکھاڑ کر اس کی جگہ صالح نظام کو قائم کیا جائے۔ باہر کی دنیا میں تو اسلامی انقلاب لانے کے لئے ان کے نزدیک نظام باطل کو توڑنا ضروری تھا۔ نظام کو توڑنے سے کم کوئی چیز انھیں راضی کرنے کے لئے کافی نہیں تھی۔ مگر اپنی بیوی کی پختہ قبر کے لئے وہ یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ بچوں نے اگر قبر کو پختہ کر کے ایک غلط کام کیا ہے تو وہ اس کو توڑ کر اس کی تصحیح کر دیں۔

ہر آدمی دوسرے کے بت کو توڑنے کے لئے مجاہد بنا ہوا ہے مگر خود اپنے بت کو توڑنے کے لئے کوئی مجاہد نہیں۔ حالانکہ اپنے بت کو توڑنا ہر آن آدمی کے بس میں ہے۔ جب کہ دوسرے کے بت کو توڑنے میں بے شمار رکاوٹیں حائل ہیں۔ جو کچھ ممکن ہے اس کو نظر انداز کرنا اور جو غیر ممکن ہے اس کے پیچھے دوڑنا غیر سنجیدگی کی علامت ہے۔ اور غیر سنجیدگی اور خدا کا خوف دونوں ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بڑے جوش کے ساتھ مسلم سیاست کے گزرے ہوئے

واقعات سنائے۔ اس ضمن میں انھوں نے ظفر علی خاں کا ایک شعر سنایا جو انھوں نے ایک مشاعرہ میں پڑھا تھا اور مشاعرہ کے مسلم شرکار اس کو سن کر جھوم اٹھے تھے۔ شعر یہ تھا:

دنیا میں بلائیں دو ہی ہیں اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک کفر کا چلتا جھکڑ ہے اک ظلم کی چلتی آندھی ہے

جس شعر کو پڑھ کر مذکورہ بزرگ خوش ہو رہے تھے اس کو سُن کر میرا دل غم کے بوجھ کے نیچے دب گیا۔

میں نے سوچا کہ اس قسم کے لیڈر جو دوسروں کے ظلم کا اعلان کرنے میں مشغول تھے وہ خود کتنے بڑے ظالم تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی ایک پوری نسل کو اس ذہن میں مبتلا کر دیا کہ سب سے بڑے ظالم "ساورکر" اور "گاندھی" ہیں۔ حالاں کہ قرآن کے مطابق، انسان کے لئے اصل ظالم دوسرے دو ہیں اور وہ نفس اور شیطان ہے۔ اس قسم کی تحریکیں چلانا قوم کو جھوٹ کے اوپر کھڑا کرنا ہے۔ اور جو قوم جھوٹ کے اوپر کھڑی کی جائے اس کا انجام دنیا میں بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ماضی کے لیڈر اپنی قبروں میں لیٹ چکے ہیں مگر جو حال کے لیڈر ہیں وہ بھی ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ آج بھی ہمارے لیڈروں کو کوئی نہ کوئی "ساورکر" یا "گاندھی" ملا ہوا ہے اور وہ ان کی نشاندہی کر کے سستی قیادت حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ ہمارے لیڈر ان جھوٹے نعروں پر قوم کی بھیڑ جمع کرتے ہیں اور "ساورکروں" اور "گاندھیوں" کو میدان سے ہٹا کر یوم فتح مناتے ہیں مگر اصل صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل دشمن تو نفس اور شیطان ہیں اور وہ بدستور پوری طاقت کے ساتھ زندہ اور کارفرما موجود ہیں۔ ایسی حالت میں کوئی واقعی تبدیلی ہو تو کیوں کر ہو۔

۳۰ اپریل اور یکم اور ۲ مئی ۱۹۸۴ کے ایام میرے گونڈہ میں گزرے۔ گونڈہ میں میرا قیام جناب عبد المجیط خاں صاحب کے یہاں تھا جو گورنمنٹ پالی ٹکنیک میں پرنسپل ہیں۔ شہر کے باہر تقریباً ۹۵ ایکڑ کے رقبہ میں ایک الگ تھلگ دنیا ہے جو درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔

دہلی کے ہنگاموں سے نکل کر اچانک ۳۰ اپریل کی صبح کو میں نے اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں پایا جہاں قدرت کے سکون کو صرف چڑیوں کے چہچہے توڑتے تھے۔ جہاں انسانی مصنوعات سے زیادہ خدائی مصنوعات دکھائی دیتی تھیں۔ رات کو لان میں چارپائی کے اوپر لیٹا تو کھلے آسمان کا وہ منظر دکھائی دیا جس میں خدا کے سوا کسی اور کا جلوہ شامل نہیں تھا۔ کھلا ہوا آسمان جس میں ستارے جگمگا رہے ہوں،

ایک ایسا منظر ہوتا ہے جو خدا کی عظمت کا زندہ اعلان بن جاتا ہے۔

میں آسمان کے مہیب منظر میں کھویا ہوا تھا کہ ایک روشن چیز ایک طرف سے دوسری طرف جاتی ہوئی نظر آئی۔ یہ بظاہر غیر متحرک ستاروں کے درمیان ایک متحرک ستارہ تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہ انسانی ساخت کا سیارہ ہے جو سورج کی روشنی پڑنے سے چمک رہا ہے۔ آجکل مختلف ممالک نے سیکڑوں کی تعداد میں اپنے خلائی سیارے اوپر بھیج رکھے ہیں جو مسلسل زمین کے گرد گھومتے رہتے ہیں اور رات کے مختلف حصوں میں دیکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ یہ مصنوعی سیارہ دیکھنے میں ایک روشن ستارہ تھا۔ دوسرے ستارے بظاہر ٹھہرے ہوئے تھے اور وہ تیزی سے ایک طرف سے دوسری طرف کو چلا جارہا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آسمان کے ستارے اس سے کہیں زیادہ روشن ہیں اور کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ گردش کر رہے ہیں۔

اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ ستارے ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں اور مصنوعی سیارے متحرک دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ستارے بہت زیادہ دور ہیں اور مصنوعی سیارہ بہت زیادہ قریب۔ نیز یہ کہ ستاروں کی روشنی ان کی اپنی روشنی ہے اور مصنوعی سیارہ کی روشنی صرف سورج کی روشنی ــــــ اگر سوچنے والی عقل نہ ہو تو صرف دیکھنے والی آنکھ آدمی کو کتنی بڑی غلطی میں مبتلا کر سکتی ہے۔

کائنات خدا کی جلوہ گاہ ہے۔ آدمی اس کے اندر سفر کرتا ہے مگر اس کے سفر میں اور مصنوعی سیارہ کے سفر میں کوئی فرق نہیں۔ انسان خدا کی دنیا میں اپنے صبح و شام بتاتا ہے مگر خدا سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی۔ اس کی زندگی میں کوئی ایسا موڑ نہیں آتا جب کہ خدا سے اس کا سامنا ہو اور وہ اس سے باتیں کرے۔ خدا کی تجلیوں میں سے کسی تجلی سے اس کی نظر نہیں ٹکراتی جو اس کو تڑپا دے اور اس کو اشک بار کر دے۔

یکم مئی کا سورج طلوع ہوا اور ہرے بھرے درختوں پر اس کی سنہری کرنیں پڑیں تو درخت اس کی روشنی سے چمک اٹھے۔ چڑیاں پھدکنے اور چہچہانے لگیں۔ درختوں کی شاخیں ہوا میں ہلتی ہوئی دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا گویا وہ ربانی نغمہ کو سن کر رقص کر رہی ہوں۔ سارا ماحول قدرتی حسن کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ اچانک میری زبان پر قرآن کی یہ آیتیں آگئیں:

واشرقت الارض بنور ربّها ووضع الکتاب وجائ بالنبیین والشهدا ء وقضی بینهم بالحق وهم لا یظلمون (الزمر ۶۹)

میں نے کہا : آج کی دنیا نورِ شمس سے روشن ہوتی ہے، آخرت کی دنیا براہ راست نورِ خداوندی سے روشن ہوگی۔ آج کائنات کی چیزیں خدا کے آلاء (کرشموں) پر غیر ملفوظ حمد کہہ رہی ہیں، آخرت میں ساری کائنات ملفوظ طور پر الحمدللہ رب العٰلمین کہہ اٹھے گی۔ آج ہر آدمی اپنی مرضی چلانے کے لئے آزاد ہے، آخرت میں کتاب اور میزان عدل کی حکمرانی ہوگی۔ آج دھاندلی اور موقع پرستی میں زد رہے ، آخرت میں صرف ان باتوں میں زور ہوگا جن کو لے کر انبیاء اور شہداء کھڑے ہوئے۔

خدا کے ظہور کے بعد دنیا کیسی عجیب وغریب دنیا ہوگی۔ اس کا ابتدائی اندازہ اسی فانی دنیا میں ہو رہا ہے۔ یہاں قدرت کی دنیا کو دیکھئے۔ سورج یہ مظاہرہ کر رہا ہے کہ تاریک مادہ کس طرح خدا کے حکم سے روشن ہو جاتا ہے۔ درخت یہ منظر پیش کر رہے ہیں کہ خدا کس طرح مادہ کو شاداب درخت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ زندگی کی انواع بتا رہی ہیں کہ خدا کا اشارہ پاکر کس طرح بے جان چیز جاندار کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ انسانی دماغ کا حیرت ناک واقعہ بتا رہا ہے کہ بے شعور جسم کس طرح شعور اور ارادہ کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔

خدا کی دنیا کیسی عجیب ہے، اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ہم یہ سوچیں کہ کیا تمام انسان مل کر ایسی دنیا بنا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام انسان مل کر ایک پتی بھی نہیں بنا سکتے اور کائنات کا یہی ایک پہلو اس کی حیرت ناکی کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

انسان کے لئے کوئی ایسا کارخانہ بنانا ممکن نہیں جس کے اندر مٹی ڈالی جائے اور وہ درخت بن کر نکلے۔ جس کے اندر گھاس ڈالی جائے اور وہ دودھ اور گوشت بن کر نکلے۔ جس کے اندر لکڑی اور پتھر ڈالا جائے اور وہ پھول اور پھل بن کر نکلے۔ مگر خدا کی دنیا میں ہر آن بے حساب مقدار میں یہ سارے واقعات ہو رہے ہیں۔

امریکی انسان جب خلائی جہاز کے ذریعہ چاند پر پہنچا تو میں اس روز رات کو ایک اردو اخبار کے دفتر میں گیا۔ اس وقت ٹیلی پرنٹر پر تفصیلات آ رہی تھیں اور وہ مسلسل ترجمہ کر کے کاتب صاحبان کو دی جا رہی تھیں۔ اڈیٹر صاحب نے گفتگو کے دوران کہا :

بڑی تھرلنگ نیوز آ رہی ہیں۔

میں نے سوچا، کیسی عجیب بات ہے کہ انسانی واقعات لوگوں کے اندر تھرل (Thrill) پیدا کر رہے ہیں۔ مگر خدائی واقعات ان کے اندر کوئی تھرل پیدا نہیں کرتے۔ لوگ مخلوقات کے کارناموں کو دیکھ کر جھوم اٹھے ہیں مگر خالق کے کارناموں کو دیکھ کر جھومنے والا کوئی نہیں۔

گراموفون کا ریکارڈ بظاہر ایک کامل خاموش تختی ہے۔ لیکن اگر اس کے اوپر سوئی رکھ دیجئے تو اچانک وہ ایک انتہائی بولنے والی تختی بن جائے گی۔ یہی حال موجودہ کائنات کا ہے۔ کائنات بظاہر انتہائی خاموش ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ریکارڈ سے زیادہ آواز یں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ خدا نے کمال درجہ قدرت کے ساتھ ایک انتہائی بولتی ہوئی کائنات کو ایک انتہائی خاموش کائنات میں تبدیل کر دیا ہے۔ تاکہ اس کے سریلے نغموں کو وہی لوگ سنیں جو اس کو سننے کا حق رکھتے ہیں۔ اور جو ناکارہ لوگ ہیں وہ اس کو سننے اور جاننے سے اندھے بہرے بنے رہیں۔

آج کی دنیا کا سب سے زیادہ عجیب واقعہ یہی اندھاپن اور بہرا پن ہے۔ کائنات خدا کا انتہائی کھلا ہوا اظہار ہے۔ مگر یہی سب سے زیادہ کھلا ہوا اظہار آج سب سے زیادہ چھپا ہوا واقعہ بن گیا ہے۔ آج نہ کوئی آنکھ ہے جو اس کو دیکھے اور نہ کوئی زبان ہے جو اس کو بیان کرے۔

خدا کی دنیا خدا کی باتوں سے خالی ہو رہی ہے۔ آج انسانوں کی عظمت بیان کرنے والے بے شمار ہیں مگر خدا کی عظمت بیان کرنے والا کوئی نہیں۔ تاریخی نشانیوں کو دیکھ کر لوگ تڑپ رہے ہیں مگر خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر تڑپنے والا کوئی نہیں۔ مخلوقات کی شان میں گم ہونے والے بے شمار ہیں مگر خدا کی شان میں گم ہونے والا کوئی نہیں۔

آہ، کیسی عجیب ہے وہ دنیا جہاں ہر طرف دوڑ لگ رہی ہو مگر خدا کی طرف دوڑنے والا کوئی نہ ہو۔ جہاں انسانی تقریریں سننے کے لئے لوگوں کی بھیڑ جمع ہو مگر جہاں خدا کا بول نشر کیا جا رہا ہے وہاں سناٹے کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔

اپریل ۱۹۸۴ میں مسٹر راکیش شرما روسی راکٹ کے ذریعہ خلا میں گئے۔ اس درمیان میں مخصوص مشینوں کے ذریعہ ان کا ربط زمین سے قائم تھا۔ ان کی آواز بھی یہاں سنائی دیتی تھی اور ان کی تصویر بھی نظر آتی تھی۔ ایک انٹرویو کے دوران راکیش شرما سے پوچھا گیا کہ خلا سے آپ کو دنیا کیسی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے کہا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

راکیش شرما کا یہ جواب ان کی فطرت کا جواب نہیں تھا بلکہ وطن پرستی کے مصنوعی ذہن سے نکلا ہوا جواب تھا۔ اگر وہ وطن پرستی کے مصنوعی خیالات سے آزاد ہوتے اور فطرت کی سطح پر مذکورہ سوالات کا جواب دیتے تو وہ کہہ اٹھتے:

سارے عالم سے اچھی ہماری زمیں۔

اگر کوئی شخص دور کائنات میں کھڑے ہو کر پوری کائنات کو دیکھ سکے تو وہ ایک حیرت انگیز منظر کو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ وہ دیکھے گا کہ ایک اتھاہ کائنات ہے جس میں یا تو دہشت ناک خلا ہے۔ یا دہکتے ہوئے ستارے یا پھر خشک دوڑتی ہوئی چٹانیں۔ اس ناقابل قیاس حد تک وسیع کائنات میں ایک ہی استثنار ہے اور وہ اس چھوٹے سے ذرے کا ہے جس کو زمین کہتے ہیں۔ معلوم کائنات میں صرف زمین ہی ایک ایسا کرہ ہے جہاں پانی کی روانی ہے۔ جہاں ہریالی کا رقص ہے۔ جہاں زندگی کی رعنائیاں ہیں۔ جہاں یہ حیرت ناک واقعات پائے جاتے ہیں کہ مادہ ہریالی میں تبدیل ہو۔ جہاں گھاس کھانے والے گھاس کھا کر اس کو دودھ اور گوشت میں کنورٹ کریں۔ جہاں وہ انسان ہو جو دیکھے اور سوچے اور نقشہ بنائے۔

ایسی استثنائی زمین پر انسان کو بسانا بتاتا ہے کہ خدا انسان کے اوپر ایک استثنائی انعام کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ کائنات کے اندر ایک انوکھی دنیا بنائی جائے جس کا نام جنت ہو۔ جہاں ہر قسم کی لذتیں جمع ہوں۔ جو ہر قسم کے ناموافق حالات سے پاک ہو۔ جو خدا کی صفات کمال کا ابدی ظہور ہو۔

"یہ انوکھی جنت کس کو ملے گی" میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اور قدرت کی حسین دنیا میرے لئے اس سوال کا جواب بن گئی۔ موجودہ زمین گویا ایک قسم کا ابتدائی نمونہ ہے جو بتاتا ہے کہ خدا آئندہ اپنی پسند کی کون سی دنیا بنانا چاہتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ وہ اپنی پسند کی اس دنیا میں کس قسم کے لوگوں کو بسائے گا ــــــ جنت اس کو ملے گی جو خدا کی دنیا میں درخت کی طرح شادابی کا ثبوت دے۔ وہ اس کو ملے گی جو چڑیوں کی طرح خدا کی حمد کے نغمے گائے ۔ وہ اس کے حصہ میں آئے گی جس کی روح سورج اور چاند طرح خدا کے نور سے چمک اٹھی ہو۔

یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی دنیا میں خدا کے داعی بنتے ہیں۔ خدا کی دعوت خدا کے اس خاموش پیغام کی ترجیل (Relay) کا دوسرا نام ہے جو کائنات میں ہر آن نشر ہو رہا ہے۔ خدا کا داعی وہ ہے جو خدا کے فیضان کا آخذ (Recipient) بن جائے۔ وہ بولے تو اس کی آواز زمین و آسمان میں بلند ہونے والی گونج سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اس کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات انسانی الفاظ میں اس حمد کی ترجمانی بن جائیں۔ جو چڑیوں کی زبان سے فطرت کے لہجے میں سنائی جا رہی ہے۔ آخرت کا داعی بننے کے لئے دنیا سے بلند ہونا پڑتا ہے۔ لوگ دنیا میں گم ہیں پھر وہ آخرت کے داعی کیسے بن سکتے ہیں۔ داعی بھی اگر وہیں کھڑا ہوا ہو جہاں لوگ کھڑے ہوئے ہیں تو وہ کبھی لوگوں کے اوپر داعی نہیں بن سکتا۔

واپسی میں گونڈہ سے لکھنؤ تک کا سفر محکمہ ٹیلی فون کی گاڑی سے کیا۔ یہ سفر کافی تکلیف دہ تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ مذکورہ گاڑی اگرچہ کار کی مانند تھی مگر اس میں غالباً شاک ابزاربر لگا ہوا نہیں تھا جو تمام جھٹکے کو پہیہ کے اوپر ڈالتا رہتا ہے۔ چنانچہ سارے سفر میں وہ اپنا جھٹکا ہماری طرف منتقل کرتی رہی۔ میں نے سوچا کہ یہی معاملہ ان انسانوں کا ہے جن کے سینہ میں جھٹکا سہنے والا مادہ نہ ہو۔ ایسے بے صبر اشخاص جن لوگوں کے درمیان رہتے ہیں وہ ان کو اپنے غصہ اور انتقام کا جھٹکا دیتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے اوپر لگنے والے ہر جھٹکے کو دوسرے کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

لکھنؤ سے دہلی تک کا سفر ہوائی جہاز سے طے ہوا۔ جاتے ہوئے بذریعہ ٹرین دہلی سے لکھنؤ پہنچنے میں ۱۲ گھنٹے لگے تھے۔ واپسی میں یہی مسافت صرف ۴۵ منٹ میں طے ہو گئی۔ کتنا فرق ہے ایک وسیلہ میں اور دوسرے وسیلہ میں۔

خدا نے اپنی دنیا میں ہر قسم کے وسائل رکھ دئے ہیں۔ ادنیٰ بھی اور اعلیٰ بھی۔ یہاں "بیل گاڑی" کا ذریعہ سفر بھی ہے اور "ہوائی جہاز" کا ذریعہ سفر بھی۔ یہ آدمی کے اپنے حوصلہ اور ہمت کا امتحان ہے کہ وہ کس وسیلہ کو اپنے لئے استعمال کرتا ہے۔ وہ کس منزل کو اپنی منزل بناتا ہے۔

جہاز کے اندر انڈین ایر لائنز کا ماہنامہ سواگت (مئی ۱۹۸۴) پڑھنے کو ملا۔ اس میں ایک مضمون گول کنڈہ کے بارہ میں تھا۔ یہ ایک قلعہ نما شہر تھا جو پانچ سو سال پہلے ۱۵۱۶ء میں تعمیر ہوا۔ اس کو تعمیر کرنے والا سلطان قلی قطب تھا۔

مذکورہ ماہنامہ میں قدیم گول کنڈہ کے مختلف باقیات کی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر کے نیچے لکھا ہوا تھا: فتح دروازہ۔ قدیم زمانہ میں جس عظیم عمارت کا نام "فتح دروازہ" تھا وہ آج ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر کی صورت میں صرف "کھنڈر دروازہ" کا منظر پیش کر رہی ہے ——— انسان ایک دن کے لئے فتح کا جشن مناکر خوش ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس کے بعد ہزاروں سال تک وہ صرف شکست کی یادگار بن جانے والا ہے۔

مضمون میں ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ کے احوال لکھتے ہوئے یہ فقرہ درج تھا:

Muslim and Hindus lived together in perfect harmony

اس کے دور میں مسلمان اور ہندو دونوں کامل اتحاد اور ہم آہنگی کے ساتھ رہتے تھے (صفحہ ۵۷)

کل امرئ راجع یوما لشیمته　　وان تخلق اخلاقا الی حین　(ذو الاصبع عدوانی)

ہر آدمی ایک دن اپنی اصل عادت کی طرف لوٹ آتا ہے، خواہ ایک مدت تک وہ مصنوعی اخلاق اپنائے رہے۔

لا یصلح الناس فوضیٰ لاسَراۃ لهم　　ولا سَراۃ اذا جهالهم سادوا　(اَفوَہ اَودی)

ایسے لوگوں کے معاملات سدھر نہیں سکتے جو بے سردار ہوں اور جب جاہل قسم کے لوگ سردار بن جائیں تب بھی سمجھ کہ کوئی سردار نہیں۔

وکل امرئ یوما سیعلم غیبه　　اذا حصلت عند الاله الحصائل　(لبید بن ربیعہ)

ہر شخص ایک دن اپنی چھپی ہوئی باتوں کو جان لے گا جب کہ خدا کے حضور اعمال کے نتائج جمع ہوں گے

فاقنع بما قسم الملیك فانما　　قسم الخلائق بیننا علامها　(لبید بن ربیعہ)

خدا نے جو تقسیم کر دی ہے اس پر قانع رہو کیوں کہ ہمارے درمیان عادات واخلاق کی یہ تقسیم بڑے دانا نے کی ہے

وعوراء قد اعرضت عنها فلم یضر　　وذی اود قومته فتقوما　(حاتم طائی)

بہت سی نازیبا باتوں سے میں نے اعراض کیا تو میرا کچھ نہ بگڑا، بہت سے کج خلقوں کو میں نے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو وہ سیدھے ہو گئے

وان امرأ یمسی ویصبح سالما　　من الناس الا ماجنی لسعید　(حسان بن ثابت)

جو شخص صبح سے شام تک لوگوں کے ظلم سے بچا رہے اور صرف اپنے کئے کو بھگتے وہ یقیناً خوش قسمت ہے۔

واذا افتقرت الی الذخائر لم تجد　　ذخرا یکون کصالح الاعمال　(اخطل)

جب تمھیں ذخیروں کی ضرورت ہوگی تو نیک اعمال سے زیادہ قابل قدر کوئی ذخیرہ نہ پاؤ گے

لا تصحب الکسلان فی حالاته　　کم صالح بفساد آخر یفسد　(ابو بکر بن عباس خوارزمی)

کاہل کے ساتھ نہ رہو، کتنے ہی اچھے آدمی دوسروں کی خرابی سے بگڑ جاتے ہیں

اذا تم شیئ بدا نقصه　　توقع زوالا اذا قیل تم　(خوارزمی)

جب کوئی چیز پوری ہو جاتی ہے تو پھر اس میں کمی ہونے لگتی ہے جب تم سے کہا جائے کہ فلاں چیز مکمل ہو گئی تو اس کے زوال کا انتظار کرو

اذا کنت فی کل الامور معاتبا　　صدیقك لم تلق الذی لا تعاتبه　(بشار بن برد)

اگر تم ہر بات میں اپنے دوست پر عتاب کرتے رہوگے تو تمھیں کوئی بھی ایسا دوست نہیں ملے گا جس پر تم کو عتاب نہ کرنا پڑے

الصمت اجمل بالفتیٰ　　من منطق فی غیر حینه　(ابو العتاہیہ)

انسان کے لئے بے وقت بولنے سے خاموش رہنا زیادہ بہتر ہے

عدوك من صدیقك مستفاد　　فلا تستکثرن من الصحاب　(ابن الرومی)

تمھارا دشمن تمھارے دوستوں ہی میں سے بنتا ہے، اس لئے اپنے دوست زیادہ نہ بناؤ

ترجوا النجاۃ ولم تسلك مسالکها　　ان السفینة لا تجری علی الیبس　(ابو العتاہیہ)۔

تو نجات کا امیدوار ہے مگر اس کے راستوں پر نہیں چلتا، کیا تجھے نہیں معلوم کہ کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلتی

حب السلامة یثنی عزم صاحبه　　عن المعالی ویغری المرء بالکسل　(ابو اسمٰعیل حسین بن علی طغرائی)

عافیت پسندی کی خواہش آدمی کے عزم وہمت کو بلند مقاصد سے موڑ کر سہولت پسند بنا دیتی ہے

خبر نامہ اسلامی مرکز

۱. شیخ محمد سلیمان القائد (ڈائرکٹر اسلامک سنٹر، کیگالی، افریقہ) ۲۳ اگست ۱۹۸۴ کو اسلامی مرکز دہلی میں آئے اور ۳۱ اگست تک یہاں مقیم رہے۔ اس دوران میں ان کے مختلف پروگرام جاری رہے۔ ۲۶ اگست ۱۹۸۴ کی شام کو اسلامی مرکز میں ان کی ایک تقریر ہوئی۔ انھوں نے عربی زبان میں تقریر کی جس کا فوری طور پر اردو میں ترجمہ کیا گیا۔ شیخ محمد سلیمان القائد نے بتایا کہ افریقہ میں وہ پچھلے پانچ سال سے دعوتی کام کر رہے ہیں۔ اس مدت میں ۲۰ ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے ہیں۔ افریقہ کی زمین اسلامی دعوت کے لئے نہایت زرخیز ہے۔ سوالات کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ میں دہلی صرف اس لئے آیا ہوں کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی صحبت سے فائدہ اٹھاؤں۔ میں جو دعوتی کام افریقہ میں کر رہا ہوں اس کا فکری سرچشمہ مولانا وحید الدین خاں صاحب ہی ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا وہ ان کے اصل الفاظ میں مقابل کے صفحہ پر درج ہے۔

۲. دہلی میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز (تغلق آباد) ایک عظیم ادارہ ہے۔ حال میں اس کے تحت تقابلی مذہب (Comparative religion) کا شعبہ قائم ہوا ہے۔ اس شعبہ کے زیر اہتمام مختلف مذاہب پر لکچروں کا پروگرام ہے۔ اس سلسلے میں پہلا لکچر مولانا وحید الدین خاں صاحب کا ہوا۔ مولانا موصوف نے ۴ ستمبر ۱۹۸۴ کو اسلامک اسٹڈیز کے ہال میں اسلام کے تعارف پر ایک لکچر دیا۔ ہال کی تمام سیٹیں بھری ہوئی تھیں۔ سامعین میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک تھے۔ اس لکچر کا ٹیپ موجود ہے۔ آئندہ کسی وقت انشاء اللہ اس کو شائع کیا جائے گا۔

۳. اسلامی مرکز کی مطبوعات اللہ کے فضل سے ملک کی دوسری زبانوں میں منتقل ہو رہی ہیں۔ فی الحال "منزل کی طرف" کا مرہٹی ترجمہ پونہ کے دار الاشاعت سے شائع کیا گیا ہے اور "سچا راستہ" اور "دینی تعلیم" کا تلگو ترجمہ دار الاشاعت حیدر آباد سے۔

۴. اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا کی تیسری کل ہند کانفرنس دہلی میں ۲۶-۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴ کو ہوئی۔ اس سلسلہ میں موومنٹ کے دو نمائندے ۴ اکتوبر کو اسلامی مرکز میں آئے۔ انھوں نے کانفرنس کے لئے مولانا وحید الدین خاں صاحب کا پیغام ٹیپ پر لیا۔ عام طور پر اس طرح کا پیغام تحریری شکل میں لیا جاتا ہے۔ مگر یہ طریقہ قابل تقلید ہے کہ پیغام کو آواز اور الفاظ دونوں اعتبار سے حاصل کیا جائے

ولعلك تسئل بعد هذا لماذا احببت وحيد الدين • الحقيقة ان اكتشاف الشيخ وحيد الدين اعظم انتشاف في حياتي • فالفضل يرجع الى الله اولا ثم الى وحيد الدين خان في انتشاف حقيقة الدعوة الى الله فهو اضاء لي الطريق الذى جعل به حياتي ذات معنى •

واكثر من هذا فانني احسب نفسي بكل تواضع انني مجرد تلميذ صغير جدا في مدرسة هذا العالم الربانى • والمسلمون حاليا لايعرفونه وهذه اعظم مأساة ، فالمسلمون يعيشون في وهم الشخصيات ذات البريق التاريخى والبهرجة الدنيوية فهم ينظرون الى كثرة الاتباع والشهرة وفخامة الموسسات ولكن هنيئا لكل امرئ عرفه وادرك قيمة رسالته •

وانها لرحمة ربانية نادرة جدا ان يخرج فينا الان مثله في وقت نحن في اشد الحاجة الى من يبصرنا طريق النجاة فهو المجدد بحق لدين الله الذى انتظرناه منذ مئات السنين •

والله وحده يشهد على صدق ما أقول وانى اعلن شهادتى هذه متحديا بها العصر الحاضر ومستقبل التاريخ الاسلامى والانسانى باسره •

محمد سليمان القائد ، المركز الثقافي الاسلامي بنيجاليا ٣١ / ٨ / ١٩٨٤م

تذکیر القرآن

جلد اوّل

سورۃ فاتحہ - سورۃ توبہ

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لئے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ھدیہ مجلّد: پچاس روپے

مکتبہ الرسالہ

سی - ۲۹ ، نظام الدین ویسٹ ، نئی دہلی ۱۳

انگریزی الرسالہ

الرسالہ کا انگریزی اڈیشن پابندی سے ہر ماہ نکل رہا ہے۔ زبان و بیان ہر لحاظ سے بفضلہ تعالےٰ وہ ایک معیاری پرچہ ہے۔ ایک امریکی نومسلم جو انگریزی الرسالہ شروع سے پڑھ رہے ہیں، انھوں نے کہا کہ الرسالہ مجھ کو بہت پسند ہے۔ وہ مسلم دنیا کا واحد انگریزی رسالہ ہے جو خالص دعوتی اور تعبیری انداز میں نکلتا ہے۔ میں الرسالہ کو بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔

الرسالہ خالص دعوتی مقصد سے نکالا گیا ہے اور دعوت پوری امت کی مشترک ذمہ داری ہے۔ اس اعتبار سے الرسالہ (انگریزی) کسی خاص ادارہ کا پرچہ نہیں وہ پوری امت کا پرچہ ہے۔ اس کا تعاون کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کے سلسلے میں آپ اپنی ذمہ داری کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ :

اس کے خریدار بنائیں اور ایجنسی قائم کریں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔
اس کے لئے مالی تعاون کریں تاکہ اس کا خسارہ پورا کیا جاسکے۔

نوٹ : انگریزی الرسالہ کی خریداری اور ایجنسی کے شرائط وہی ہیں جو اردو الرسالہ کے ہیں۔

ادارہ الرسالہ ——

علاقائی زبانوں میں کتابیں

سچا راستہ (تلگو) Rs. 3.50

دینی تعلیم (تلگو) Rs. 4.50

پتہ : اسلامک سنٹر ، 3-6-373/A حمایت نگر ۔ حیدرآباد 29

منزل کی طرف (مرہٹی) Rs. 5

پتہ : فٹ ویل سیٹ سنٹر 1050 رویوار پیٹھ پونہ 2

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔

الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱. الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲. زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳. کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور ہر ماہ صاحب ایجنسی اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴. صاحب استطاعت افراد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کر دیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵. ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مستول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

'Introduction to Islam' Series

1. The Way to Find God
2. The Teachings of Islam
3. The Good Life
4. The Garden of Paradise
5. The Fire of Hell

The series provides the general public with an accurate and comprehensive picture of Islam—the true religion of submission to God. The first pamphlet shows that the true path is the path that God has revealed to man through His prophets. The second pamphlet is an introduction to various aspects of the Islamic life under forty-five separate headings. Qur'anic teachings have been summarized in the third pamphlet in words taken from the Qur'an itself. In the fourth pamphlet the life that makes man worthy of Paradise has been described and in the last pamphlet the life that will condemn him to Hell-fire.

Price per set: Rs 24.00

Maktaba Al-Risala
C-29 Nizamuddin West New Delhi 110013

Rs 3.00

Regd. No. D(SE) 243
Regd. R.N. No. 28822/76

November 1984
Issue No. 96

AL-RISALA MONTHLY

C-29 NIZAMUDDIN WEST NEW DELHI 110 013 Tel. 611128

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

تذکیرالقرآن جلد اول	50/-
الاسلام	20/-
مذہب اور جدید چیلنج	25/-
ظہور اسلام	25/-
احیاء اسلام	15/-
پیغمبر انقلاب	25/-
دین کیا ہے	2/-
قرآن کا مطلوب انسان	5/-
تجدید دین	3/-
اسلام دین فطرت	3/-
تعمیر ملت	3/-
تاریخ کا سبق	3/-
مذہب اور سائنس	5/-
عقلیات اسلام	3/-
فسادات کا مسئلہ	2/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	2/-
تعارف اسلام	3/-
اسلام پندرھویں صدی میں	2/-
راہیں بند نہیں	3/-
ایمانی طاقت	3/-
اتحاد ملت	3/-

سبق آموز واقعات	3/-
زلزلۂ قیامت	4/-
حقیقت کی تلاش	3/-
پیغمبر اسلام	3/-
آخری سفر	3/-
حقیقت حج	2/-
اسلامی دعوت	3/-
خدا اور انسان	3/-

تعارفی سٹ

سچا راستہ	2/-
دینی تعلیم	3/-
حیات طیبہ	3/-
باغ جنت	3/-
نار جہنم	3/-

English Publications

The Way to Find God	4/-
The Teachings of Islam	5/-
The Good Life	5/-
The Garden of Paradise	5/-
The Fire of Hell	5/-
Mohammad: The Ideal Character	3/-

مکتبہ الرسالہ سی - ۲۹، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳